ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 23 شمارہ 08

فروری 2026ء - شعبان المعظم 1447ھ

جلد 23 شمارہ 08

فروری 2026ء - شعبان المعظم 1447ھ

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد ناصر

مولانا طارق محمود

مولانا محمد ریحان

فی شمارہ.................... 50 روپے

سالانہ .... 500 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جا سکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

مولانا عبدالسلام صاحب - 0333-5365831

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....لایعنی چیزوں سے پرہیز.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن(سورہ نساء: قسط7).....فوت شدہ کی میراث میں اولاد کا حصہ.....// // 6

درسِ حدیث.....حجاج بن یوسف(قسط:7).....// // 10

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات.....مفتی محمد رضوان 15

علم کے مینار: .....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف(اڑتیسواں حصہ).....مفتی غلام بلال 21

تذکرۂ اولیاء: .....عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت

کے جدید دنیا پر اثرات(حصہ:3).....مولانا محمد ریحان 25

پیارے بچو!..... پلازہ کی بتی گُل.....// // 27

بزمِ خواتین.....فیمینزم اور دور کے ڈھول.....// // 29

آپ کے دینی مسائل کا حل .....دعاءِ تعزیت میں ہاتھ

اٹھانے کا حکم(قسط:1).....ادارہ 32

کیا آپ جانتے ہیں؟...''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام(قسط12)....مفتی محمد رضوان 47

عبرت کدہ .....حضرت الیاس علیہ السلام(قسط1).....مولانا طارق محمود 53

طب وصحت.....پھیپھڑوں کی افادیت وافعال.....حکیم مفتی محمد ناصر 56

اخبارِ ادارہ .....ادارہ کے شب وروز.....// // 58

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

لایعنی چیزوں سے پرہیز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٩٧٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ لایعنی (وفضول) چیزوں کو چھوڑ دے (سنن ابن ماجہ)

اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ (مسند امام احمد، رقم الحديث ١٧٣٧) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے (مسند امام احمد)

معلوم ہوا کہ اسلام کے حسن ونکھار کو پیدا کرنے کے لئے لایعنی اور فضول چیزوں کو چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ قِلَّةَ الْكَلَامِ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ (مسند امام احمد، رقم الحديث ١٧٣٢) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ہے کہ وہ لایعنی باتوں کا کلام کم کرے (مسند امام احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حسن بشواهده (حاشية مسند امام احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن لشواهده (حاشية مسند امام احمد)

www.idaraghufran.org

انسان کوکلام اور بات چیت کرنے کی ضرورت بہت کثرت سے پیش آتی ہے،جس میں فضول باتیں بھی کچھ نہ کچھ سرزد ہوجاتی ہیں،اس لئے تھوڑی بہت کی تو خیر ہے،لیکن اپنے اسلام میں حسن ونکھار پیدا کرنے کے لیے ، جہاں تک ممکن ہو ،اپنی طرف سے فضول باتوں کو چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور جتنی فضولیات کی کثرت ہوگی،اسی قدر اسلام کے حسن ونکھار میں کمی بھی واقع ہوگی۔

آج جب ہم اپنے معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں،تو فضولیات کا ایک سیلاب امڈا ہوا نظر آتا ہے،دن بدن فضولیات میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے،اور معاشرہ میں لایعنی اور فضولیات پر مشتمل چیزوں کی طرف رجحان بہت زیادہ بڑھ رہا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ فضولیات میں لگ کر زندگی کے قیمتی اوقات ولمحات کا ضیاع ایک لازمی چیز ہے،وہ بھی اس وقت جب تک کہ وہ فضولیات کی حد تک محدود ہو،گناہ کی حدود میں داخل ہو،ورنہ گناہوں کی وجہ سے اسلام کے حسن وجمال کو ہی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ اسلام کی عمارت ہی بوسیدہ ہونے لگتی ہے۔

اور آج کے زمانہ کی فضولیات کی جو حالت ہے،وہ ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق ہیں۔

جب سے تیز ترین ذرائع ابلاغ،اور میڈیا کا دور شروع ہوا،وہ دن ہے،اور آج کا دن،اس نے انسانوں کی زندگی کی برکت کو نہایت برق رفتاری سے اڑا کر رکھ دیا ہے۔

بچہ ہو،یا بڑا،عورت ہو،یا مرد،ہر ایک کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو اس کے ساتھ مصروف رکھ کر زندگی کے بڑے حصہ کو خرچ کررہا ہے،قطع نظر اس سے کہ وہ ضرورت کی چیز ہے،یا فضول؟ گناہ کا فعل ہے،یا نیکی کا؟ اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

بلکہ زیادہ تر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اس ذرائع ابلاغ کو اپنی زندگی کا ایک ایسا ضروری مشغلہ بنالیا گیا ہے کہ جس سے کسی لمحہ جان چھوٹنا،اور محروم رہنا گوارا نہیں۔

ہر ایک کے ہاتھ میں موبائل کی شکل میں چلتی پھرتی،ایک مصنوعی وخیالی دنیا ہے،جس نے انسان کو دنیا جہاں میں ہونے والی فضولیات،تخیلات وتصورات، بلکہ منکرات میں اس طرح جکڑ لیا ہے کہ

اس کے بغیر انسان کو اپنی زندگی ہی فضول معلوم ہونے لگی ہے، جبکہ اس راستہ سے جس طرح کے فتنے رونما ہورہے ہیں، وہ بیان میں آنے سے قاصر ہیں۔

حد یہ ہے کہ جب بچہ میں کسی قدر سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت ابھرنے لگتی ہے، تو سب سے پہلے اس کو نہایت یکسوئی کے ساتھ اسی کے ساتھ مشغول ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے، جس سے بچہ کی نشو ونما والی صلاحتیں، بری طرح متاثر ہوتی ہیں، آنکھ، کان، دل ودماغ تک کی صحت پر برے اثرات پڑتے ہیں، اور رفتہ رفتہ بچہ کو اسی میں اپنی ساری دنیا نظر آنے لگتی ہے، جس سے ہٹ کر اس کو دوسرے کام فضول معلوم ہونے لگتے ہیں، اور وہ اپنی مستقبل کی عظیم صلاحیتوں کو کھونے لگتا ہے۔

پھر بڑے ہونے کے بعد بھی اس کو اس کے بغیر زندگی گذارنا، دشوار مرحلہ بن کر رہ جاتا ہے۔

جب ایک مرتبہ اس ذرائع ابلاغ سے ہمہ وقت نئی نئی چیزوں کو دیکھنے، سننے کا چسکا پڑ جاتا ہے، تو پھر بعد میں اس سے جان چھڑانا مشکل ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ قبر میں نہ پہنچ جائے، یہ آنکھوں اور کانوں کا چسکا، اور میڈیا وذرائع ابلاغ کی دل وماغ میں بسی ہوئی خیالی دنیا، آسانی جان نہیں چھوڑتی۔

پہلے جو یہ کہا جاتا تھا کہ ''بچپن کھیل کود میں کھویا، جوانی نیند بھر سویا، اور بڑھاپا دیکھ دیکھ رویا'' اب ان لوگوں پر بچپن کے بجائے ''زندگی کو کھیل کود میں کھویا'' کی کہاوت صادق آتی ہے۔

پہلے زمانوں میں جن فضولیات، بلکہ منکرات کو اختیار واستعمال کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی، اب ان میں سے ہر چیز کو موجودہ ذرائع ابلاغ نے ہر جگہ آسانی میسر وفراہم کرادیا ہے، اور ہر فرد کو ایک ایسا روگ لگا کر رکھ دیا ہے، جو عمر بھر جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

اس طرز زندگی میں مبتلاء انسان کے اسلام کو کس طرح حسن وجمال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس کو مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ہر مسلمان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے وقت کی قدر اور زندگی کے قیمتی لمحات کی اہمیت کو سمجھے، اپنے آپ کو فضولیات ومنکرات سے بچانے کا اہتمام کرے، اور اپنے اوقات کو دنیا وآخرت کے مفید کاموں میں خرچ کرنے کی کوشش کرے، بطور خاص ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی تصوراتی، خیالی، بلکہ فضولیات ومنکرات پر مشتمل دنیا سے باہر نکل کر اپنی زندگی کے مقصد کو پہچانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی جدوجہد کرے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط:07، آیت نمبر11) مفتی محمد رضوان

فوت شدہ کی میراث میں اولاد کا حصہ

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ، فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ، وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (11)

(سورۃ النساء)

ترجمہ: وصیت کرتا ہے تم کو اللہ، تمہاری اولاد کے بارے میں، مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر ہوں وہ (صرف) عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ، تو ان کے لیے دو تہائی ہے، اس کا جو چھوڑا، اس (فوت ہونے والے) نے اور اگر ہو وہ (عورت صرف) ایک، تو اس کے لیے آدھا ہے (11) (سورہ نساء)

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیت میں فوت ہونے والے کے وارثوں کو ملنے والی میراث کا بیان شروع کیا گیا ہے، جس کے بعد پورے ایک رکوع میں مختلف وارثوں کو مختلف حالتوں میں ملنے والی میراث کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور اللہ کے وصیت، یعنی تاکیدی حکم دینے سے، اس حکم کا آغاز کیا گیا ہے، جس سے میراث کی وارثوں میں تقسیم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مگر افسوس کہ آج کے زمانہ میں لوگوں کو اس چیز کی اہمیت نہیں رہی کہ وہ اللہ کے بیان کئے ہوئے، میراث کے ان احکام کو سیکھیں، اور ان کے مطابق عمل کا اہتمام کریں۔

البتہ اس کے بجائے فوتگی کے حوالہ سے طرح طرح کی رسمیں اور بکھیڑے جمع کر لئے گئے ہیں، جن پر فرائض اور واجبات کی طرح عمل کیا جانے لگا ہے، اور ان رسموں میں مبتلاء ہو کر کئی قسم کے گناہ کئے جانے لگے ہیں، بلکہ مرنے والے کے مال کو بھی خلافِ شریعت کاموں میں لگا کر گناہوں کا انبار جمع کیا جانے لگا ہے، اور ان کے مقابلہ میں میراث کے شرعی احکام اور نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا

گیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے۔آمین۔

مذکورہ آیت میں فوت ہونے والے کی اگر اولاد ہو،تو اس اولاد کو مختلف حالتوں میں ملنے والی میراث کا بیان کیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَادَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَکْرٍ فِی بَنِی سَلِمَةَ مَاشِیَیْنِ، فَوَجَدَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ أَعْقِلُ شَیْئًا، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهُ، ثُمَّ رَشَّ عَلَیَّ فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ :مَا تَأْمُرُنِی أَنْ أَصْنَعَ فِی مَالِی یَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَنَزَلَتْ :یُوصِیکُمُ اللَّهُ فِی أَوْلاَدِکُمْ(صحیح البخاری،رقم الحدیث ۴۵۷۷،کتاب تفسیر القرآن،باب قولہ"یوصیکم اللہ فی أولادکم")

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ،اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بنوسلمہ میں چلتے ہوئے میری(بیماری کی وجہ سے)عیادت کی،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں پایا کہ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا،پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا،پھر اس پانی سے وضو کیا،پھر وہ پانی میرے اوپر چھڑکا،جس سے مجھے افاقہ ہوگیا،پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے آپ میرے مال کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں،میں اپنے مال میں کیا طرزِ عمل اختیار کروں؟ پھر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ(صحیح بخاری)

فائدہ:وضو کر کے پانی چھڑکنے کا عمل نظر لگنے سے حفاظت کے لئے کیا،جس کا دوسری احادیث میں بھی ذکر آیا ہے،اور یہ نظر اتارنے کا ایک مسنون طریقہ ہے،جس کا ہمارے معاشرہ میں رواج نہیں،اس لئے بہت سے لوگوں کو یہ طریقہ عجیب وغریب لگتا ہے،لیکن چونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے،اس لئے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

جَاءَتْ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیعِ بِابْنَتَیْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَی رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ :يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ فَنَزَلَتْ : آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا، فَقَالَ :أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ(سنن الترمذی،رقم الحدیث ۲۰۹۲،ابواب الفرائض،باب ما جاء فی میراث البنات) [1]

ترجمہ: سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بیٹیوں کو جو سعد سے تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے والد آپ کے ساتھ احد کے دن شہید ہو گئے تھے، اور ان کی پھوپھی نے ان دونوں کے مال کو لے لیا ہے، اور ان کے لئے مال کو نہیں چھوڑا، اور ان دونوں کا نکاح نہیں کیا جائے گا، مگر اس وقت ہی جب ان دونوں کا مال ہوگا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان دونوں کا فیصلہ فرمائے گا، پھر میراث کی (یہی) آیت نازل ہوگئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں کی پھوپھی کو بلایا، اور فرمایا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور پھر جو مال بچے گا، وہ (بہن ہونے کی حیثیت سے) تمہارا ہوگا (کیونکہ سعد کا کوئی بیٹا نہیں) (سنن ترمذی)

بعض اوقات ایک آیت مختلف واقعات پیش آنے پر بھی نازل ہو جاتی ہے، اس لئے کسی غلط فہمی میں مبتلاء نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ مَا

[1] قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، وَقَدْ رَوَاهُ شَرِيكٌ أَيْضًا، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ

www.idaraghufran.org

أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ(صحیح البخاری،رقم الحدیث ۲۷۴۷،باب :لا وصیة لوارث)

ترجمہ: مال بیٹے کے لئے اور وصیت والدین کے لئے ہوا کرتی تھی، پھر اللہ نے اس میں سے جو پسند کیا،اس کو منسوخ کر دیا، پس مرد کے لئے، دو عورتوں کے حصہ کے برابر کر دیا،اور(فوت شدہ کے) والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ کر دیا،اور(فوت شدہ کی) بیوی کے لئے(فوت شدہ کی اولاد ہونے کی صورت میں) آٹھواں حصہ،اور(فوت شدہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں) چوتھا حصہ کر دیا،اور(فوت شدہ عورت کے) شوہر کے لئے(فوت شدہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں) آدھا حصہ،اور(فوت شدہ کی اولاد ہونے کی صورت میں) چوتھائی حصہ کر دیا(صحیح بخاری)

بہر حال مذکورہ آیت اور احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ میراث کی تقسیم کی اللہ کی طرف سے وصیت کی گئی ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بہت تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

اور فوت ہونے والے مرد، یا عورت کی اگر نرینہ اور غیر نرینہ دونوں طرح کی اولاد ہو،تو ان سب کو فوت ہونے والے کی میراث میں سے مال اس طرح ملے گا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا،اور عورت کو ایک مرد سے، آدھا حصہ ملے گا۔

اور اگر فوت ہونے والے کی اولاد میں نرینہ فرد نہ ہو، یعنی کوئی بیٹا نہ ہو، بیٹی ہو،تو اگر ایک بیٹی ہو،تو اس کو فوت ہونے والے کے متروکہ مال کا آدھا حصہ ملے گا۔

اور اگر ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں،تو ان کو متروکہ مال کا دو تہائی مال ملے گا۔

اور اگر دوسرے وارث بھی ہوں، جیسا کہ بیوی، یا شوہر، یا والدین وغیرہ،تو ان وراثوں کے حصوں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

حجاج بن یوسف (قسط:7)

اورحضرت اعمش سے روایت ہے کہ:

اِخْتَلَفُوْا فِی الْحَجَّاجِ، فَقَالُوْا: بِمَنْ تَرْضَوْنَ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: بِمُجَاهِدٍ، فَأَتَوْهُ فَسَأَلُوْا، فَقَالَ: تَسْأَلُوْنِیْ عَنِ الشَّیْخِ الْكَافِرِ؟ (حدیث أبد الفضل الزهری، ص ۳۰۱، رقم الحدیث ۲۷۴)

ترجمہ: لوگوں کا حجاج کے بارے میں اختلاف ہوا، تو انہوں نے کہا کہ تم (اس کے متعلق) کس (کے فتوے) پر راضی ہو؟ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت مجاہد سے راضی ہیں، پھر وہ حضرت مجاہد کے پاس آئے، اور انہوں نے حضرت مجاہد سے حجاج کے متعلق سوال کیا، تو حضرت مجاہد نے جواب میں فرمایا کہ تم مجھ سے بوڑھے کافر کے بارے میں سوال کرتے ہو (حدیث زہری)

حضرت مجاہد جلیل القدر تابعی اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد ہیں۔

اور اجلح بن عبداللہ سے روایت ہے کہ امام عامر شعبی نے فرمایا کہ:

اَلْحَجَّاجُ مُؤْمِنٌ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ، كَافِرٌ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ (حدیث أبی الفضل الزهری، ص ۳۰۱، رقم الحدیث ۲۷۵)

ترجمہ: حجاج، بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتا ہے، اور اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرتا ہے (حدیثِ زہری)

اس کو ابنِ عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] وانبأنا احمد أنبأنا واصل نبأنا عمار بن أبی مالک عن أبیه عن الاجلح قال اختلفت أنا وعمر بن قیس الماصر فی الحجاج فقلت أنا الحجاج کافر وقال عمر الحجاج مؤمن ضال قال فأتینا الشعبی فقلت با أبا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

عامر شعبی کا شمار جلیلُ القدر تابعین میں ہوتا ہے،جن کو اہلِ کوفہ کی علامت،اور امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ [1]

امام اوزاعی سے روایت ہے کہ:

سمعت القاسم بن مخيمرة يقول كان الحجاج ينقض عرى الإسلام (تاريخ دمشق،لابنِ عساكر،ج۱۲،ص۱۸۷،تحت ترجمة:"الحجاج بن يوسف"رقم الترجمة ۱۲۱۷، حرف الحاء)

ترجمہ: میں نے (تابعی) قاسم بن مخیمرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حجاج،اسلام کے حلقوں کو توڑ دیا کرتا تھا(تاریخ دمشق)

اور امام اوزاعی سے ہی روایت ہے کہ:

قال عمر بن عبد العزيز لو جاء ت كل أمة بخبيثها وجئنا بالحجاج لغلبناهم (تاريخ دمشق،لابنِ عساكر،ج۱۲،ص۱۸۶،تحت ترجمة:"الحجاج بن يوسف"رقم الترجمة ۱۲۱۷، حرف الحاء)

ترجمہ: عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ اگر ہر امت اپنی خباثتوں کو لے کر آئے،اور ہم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عمرو أني قلت أن الحجاج كافر وقال عمر الحجاج مؤمن ضال قال فقال الشعبي يا عمر شمرت ثيابك وحللت إزارك وقلت أن الحجاج مؤمن ضال قال فقال وكيف يجتمع في رجل ايمان وضلال الحجاج مؤمن بالجبت والطاغوت كافر بالله العظيم(تاريخ دمشق،لابنِ عساكر،ج۱۲،ص۱۸۷،تحت ترجمة"الحجاج بن يوسف" رقم الترجمة ۱۲۱۷،حرف الحاء)

[1] ع: عامر بن شراحيل الشعبي، شعب همدان، أبو عمرو .علامة أهل الكوفة في زمانه، ولد في وسط خلافة عمر(تاريخ الإسلام للذهبي، ج۳،ص۷۰،الطبقة الحادية عشرة،حرف العين)

-عامر بن شراحيل الشعبي سمع الشعبي من ثمانية وأربعين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم (معرفة الثقات،للعجلي،ج۲،ص۱۲، رقم الترجمة ۸۲۳، باب العين المهملة ، باب عامر)

الشعبي عامر بن شراحيل أو عمرو الكوفي:ولد لست سنين مضت من خلافة عمر على المشهور وأدرك خمسمائة من الصحابة وقال ما كتبت سوداء في بيضاء قط ولا حدثني رجل بحديث فأحببت أن يعيده على ولا حدثني رجل بحديث إلا حفظته.

وقال أبو مخلد ما رأيت أفقه من الشعبي.وقال عبد الملك بن عمير مر ابن عمر على الشعبي وهو يحدث بالمغازي فقال لقد شهدت القوم فلهو أحفظ لها وأعلم بها.مات سنة ثلاث ومائة أو أربع أو سبع أو عشر(طبقات الحفاظ للسيوطي،ص۴۰، رقم الترجمة ۷۴، الطبقة الثالثة الوسطى من التابعين)

www.idaraghufran.org

حجاج کو لے کر آئیں،تو ہم (حجاج کی خباثتوں کی وجہ سے)ان سب امتوں پر غالب آجائیں گے(تاریخ دمشق)

اورصالح بن سلیمان سے روایت ہے کہ:

قال عمر بن عبد العزيز لو تخابثت الأمم وجئتنا بالحجاج لغلبناهم وما كان يصلح لدنيا ولا لاخرة (تاريخ دمشق،لابنِ عساكر،ج۱۲،ص۱۸۵،تحت ترجمة:"الحجاج بن يوسف"رقم الترجمة ۱۲۱۷، حرف الحاء)

ترجمہ: عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ اگر تمام امتیں اپنی خباثتوں کو لے کر آئیں،اورہم حجاج کو لے کر آئیں،تو ہم ان سب امتوں پر غالب آجائیں گے،اور حجاج،دنیاوآخرت کا کوئی بھی درست کام نہیں کرتا تھا(تاریخ دمشق)

اورعثمان بن سعید بن کثیر بن دینار قرشی،اپنے دادا''کثیر بن دینار''سے حجاج بن یوسف کے متعلق عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ:

يأخذ الزكاة من غير حقها وكان لما سوى ذلك اضيع (تاريخ دمشق،لابنِ عساكر،ج۱۲،ص۱۸۷،تحت ترجمة:"الحجاج بن يوسف"رقم الترجمة ۱۲۱۷، حرف الحاء)

ترجمہ: حجاج،زکاۃ ناحق لیا کرتا تھا،اوراس کے علاوہ دوسرے حقوق کو وہ بہت زیادہ ضائع کرنے والا تھا(تاریخ دمشق)

عمر بن عبدالعزیز کے درجہ ومقام سے سب واقف ہیں،اورجھوٹ بھی خباثتوں میں داخل ہے،جس میں''حجاج بن یوسف ثقفی''بہت پیش پیش تھا۔

مذکورہ جلیل القدر حضرات سے''حجاج ثقفی''کے متعلق جس طرح تکفیر کا حکم مروی ہے،اس طرح کا حکم''مختار ثقفی''کے متعلق مروی نہیں۔

شرح زرقانی میں ہے:

(الحجاج بن يوسف) الثقفي الظالم المبير المختلف في كفره ولي إمرة العراق عشرين سنة، ومات سنة خمس وتسعين(شرح الزرقاني على موطأ الإمام

www.idaraghufran.org

مالک، ج۲، ص۵۳۵، کتاب الحج، باب الصلاة فی البیت، وقصر الصلاة، وتعجیل الخطبة بعرفة)

ترجمہ: حجاج بن یوسف ثقفی، ظالم ہے، سفاک ہے، اس کے کفر میں اختلاف ہے، اس کو عراق کا بیس سال تک حکمران بنایا رکھا گیا، اور یہ پچانوے ہجری میں فوت ہوا (شرح زرقانی)

اور قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وحجة الآخرین أن قیامهم علی الحجاج لیس لمجرد الفسق، بل لما غیر من الشرع وظاهر الکفر لبیعة الأحرار، وتفضیله الخلیفة علی النبی صلی الله علیه وسلم، وقوله المشهور المنکر فی ذلک (اکمال المعلم، بفوائد مسلم، ج۶، ص۲۴۷، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة)

ترجمہ: اور دوسرے حضرات کی دلیل یہ ہے کہ (بعض) صحابہ وتابعین کا حجاج کے خلاف کھڑا ہونا، محض فسق کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ اس نے شریعت کے بعض احکام میں تغیر پیدا کر دیا تھا، اور احرار (خوارج) کی بیعت، اور خلیفہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دے کر، کفر کا اظہار کیا تھا، اور حجاج کا اس بارے میں منکر (وناپسندیدہ) قول مشہور ہے (اکمال المعلم)

اور امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

وحجة الجمهور أن قیامهم علی الحجاج لیس بمجرد الفسق بل لما غیر من الشرع وظاهر من الکفر (شرح النووی علی مسلم، ج۱۲، ص۲۲۹، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة)

ترجمہ: اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ (بعض) صحابہ وتابعین کا حجاج کے خلاف قیام (کھڑا ہونا) محض فسق کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ اس نے شریعت کے بعض احکام میں تغیر پیدا کر دیا تھا، اور کفر کا اظہار کیا تھا (شرح نووی)

اور ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:

والحجاج ظالم متعد ملعون على لسان النبى عليه السلام من طرق خارج الإسلام عندى باستخفافه بالصحابة كابن عمر وأنس (عارضة الأحوذى بشرح صحيح الترمذى، كتاب الفتن،باب لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون)

ترجمہ: اور ''حجاج'' ظالم ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ایسے طریقوں سے ملعون ہے کہ وہ میرے نزدیک اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اس نے صحابہ کے استخفاف اور توہین کا ارتکاب کیا، جیسا کہ ابنِ عمر اور انس رضی اللہ عنہما کا (عارضۃ الاحوذی)

اور امام مناوی فرماتے ہیں:

وقال ابن العربى :الحجاج ظالم معتدى ملعون على لسان المصطفى صلى الله عليه وسلم من طرق خارج عن الإسلام عندى باستخفافه بالصحابة كابن عمر وأنس كذا ذكره فى المعارضة (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج ۲، ص ۴۷۳، تحت رقم الحديث ۲۳۳۵، حرف الهمزة)

ترجمہ: اور (ابوبکر) ابنِ عربی نے فرمایا کہ ''حجاج'' ظالم ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ایسے طریقوں سے ملعون ہے کہ وہ میرے نزدیک اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اس نے صحابہ کے استخفاف اور توہین کا ارتکاب کیا، جیسا کہ ابنِ عمر اور انس رضی اللہ عنہما کا، ابنِ عربی نے ''المعارضة'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے (فیض القدیر)

اور علی بن سلیمان مرداوی حنبلی فرماتے ہیں:

ومن أصحابنا من أخرج الحجاج بن يوسف عن الإسلام؛ لأنه أخاف أهل المدينة وانتهك حرم الله وحرم رسوله -صلى الله عليه وسلم (الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف، ج ۱۰، ص ۳۲۷، كتاب الديات،باب حكم المرتد)

ترجمہ: اور ہمارے بعض اصحاب نے ''حجاج بن یوسف'' کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے، کیونکہ اس نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا، اور اللہ کی حرمتوں کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمتوں کو پامال کیا (الانصاف) (جاری ہے.....)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

مومنین کے لئے 27 مرتبہ استغفار کی مخصوص فضیلت

(10-رجب المرجب-1447ھ)

آج کل بعض حضرات ایک حدیث کو بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ جو شخص مومن مرد اور عورتوں کے لئے ستائیس مرتبہ استغفار کرے، تو وہ مستجابُ الدعوات ہوجاتا ہے، اور اس کی وجہ سے تمام روئے زمین کی مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے۔

لیکن اصل کتبِ حدیث میں باسند طریقہ پر اس حدیث کی دستیابی نہیں ہوسکی۔

البتہ بعض متاخرین نے اس حدیث کو ابودرداء رضی اللہ عنہ کی سند سے طبرانی کے روایت کرنے کا حوالہ دیا ہے۔

لیکن امام طبرانی کی اصل کتب میں اور دوسری اصل کتبِ احادیث میں اس حدیث کا وجود نہیں مل سکا۔

چنانچہ ابنِ کثیر (المتوفیٰ:774ھ) نے ''جامعُ المسانیدوالسنن '' میں اس کو طبرانی کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

رواه الطبرانی من طريق عثمان بن أبی العاتكة، حديث عن أم الدرداء ، عن أبی الدرداء (مرفوعًا) من استغفر للمؤمنين والمؤمنات خمسًا أو سبعًا وعشرين مرة كان من الذين يستجاب لهم ويرزقون بهم أهل الأرض (جامع المسانيد والسنن، ج ۹، ص ۳۷۹، الحديث الحادی والخمسون، من رواية أم الدرداء عن أبی الدرداء)

پھر اس کے بعد علامہ ہیثمی (المتوفیٰ:807ھ) نے '' مجمعُ الزوائد '' میں، طبرانی کے حوالہ سے ہی اس حدیث کو عثمان بن ابی العاتکہ کی سند سے نقل کیا ہے، اور ساتھ ہی عثمان بن ابی العاتکہ کے

جمہور کے ضعیف کہنے اور بعض کے ثقہ کہنے کا ذکر کیا ہے۔ [1]

جبکہ عثمان بن ابی العاتکہ کی وفات ایک سو پچپن ہجری، یا اس کے بھی بعد بتلائی گئی ہے، جن کا کسی صحابی سے سماعت کرنا ثابت نہیں۔ [2]

اور جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ: 911ھ نے بھی ''الجامعُ الصغیر ''وغیرہ میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالہ سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

اور متقی ہندی (المتوفیٰ: 975ھ نے بھی ''کنزُ العمال ''میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالہ سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

جس سے اس طرف رجحان ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی اتباع میں طبرانی کے حوالہ سے اس حدیث کو نقل کیا جاتا رہا۔

لیکن جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ہمیں اصل مراجع سے اس حدیث کی سند نہیں مل سکی۔

اس لئے ہمیں مذکورہ حدیث پر اعتماد نہ ہوسکا، کسی دوسرے کو اعتماد ہو، تو اس کے ذمہ ہی اس حدیث کا اصل مرجع اور اس کی مکمل سند کا پیش کرنا ضروری ہے۔

ہم بغیر معتبر سند کے اس کی تصدیق کرنے کی ذمہ داری سے قاصر ہیں۔

---

[1] وعن أبي الدرداء قال: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: من استغفر للمؤمنين والمؤمنات كل يوم سبعا وعشرين مرة، أو خمسا وعشرين مرة -أحد العددين- كان من الذين يستجاب لهم، ويرزق بهم أهل الأرض.

رواه الطبراني، وفيه عثمان بن أبي العاتكة وقال فيه: حدثت عن أم الدرداء، وعثمان هذا وثقه غير واحد، وضعفه الجمهور، وبقية رجاله المسمين ثقات (مجمع الزوائد، رقم الحديث ١٧٦٠٠، باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات)

[2] د ق: عثمان بن أبي العاتكة، أبو حفص الأزدي، الدمشقي، الواعظ. عن: عمير بن هانء، وسليمان بن حبيب المحاربي، وخالد بن اللجلاج، وغيرهم، وعنه: الوليد بن مسلم، والوليد بن مزيد، ومحمد بن شعيب، وصدقة بن خالد، وآخرون. قال دحيم: لا بأس به كان معلم أهل دمشق، وقاص الجند.

وقال أبو حاتم: لا بأس به بليته من كثرة روايته عن علي بن يزيد الألهاني. وقال النسائي: ليس بالقوي.

وقال ابن معين: ليس بشيء. هشام بن عمار: حدثنا صدقة بن خالد، قال: حدثنا عثمان بن أبي العاتكة عن سليمان بن حبيب، عن أبي أمامة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال ": إن الله يجلس يوم القيامة على القنطرة الوسطى بين الجنة والنار"، فساق حديثا طويلا منكرا. مات عثمان سنة خمس وخمسين ومائة (تاريخ الإسلام، للذهبي، ج۴، ص۱۴۷، حرف العين)

البتہ اپنے اور دوسرے مومنوں کے لئے بغیر کسی تعداد کی قید کے، استغفار کرنے کی دوسری مختلف فضیلتوں کا احادیث میں ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً (مسند الشاميين،للطبراني،رقم الحديث ۲۱۵۵) لے

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مومن مرد، اور مومن عورتوں کے لئے استغفار کرتا ہے، اس کے لئے اللہ ہر مومن مرد، اور ہر مومن عورت کی طرف سے نیکی کو لکھ دیتا ہے (طبرانی)

اور مومن مرد وعورت کے لئے استغفار کرنے کے عمل کا ایک طریقہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی مندرجہ ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ :اللهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ أُلْحِقَ بِهِ مِنْ كُلِّ مُؤْمِنٍ حَسَنَةً (المعجم الكبير،للطبراني،رقم الحديث ۸۷۷)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر دن میں یہ دعاء کرتا ہے کہ اے اللہ میری، اور مومن مرد، اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے، تو اس کی وجہ سے اس کو ہر مومن کی طرف سے نیکی ملتی ہے (طبرانی)

اس حدیث کی سند اگرچہ کچھ ضعیف ہے، لیکن اس کی تائید گذشتہ حدیث سے ہوتی ہے۔ ۲ے

معلوم ہوا کہ مومنوں کے لیے استغفار کرنے کی عظیم فضیلت ہے، لیکن ہر دن ستائیس مرتبہ استغفار کی مذکورہ حدیث، باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ”من ادعٰی فعلیہ البیان بالبرھان“

لے قال الهيثمي:رواه الطبراني، وإسناده جيد(مجمع الزوائد،رقم الحديث ۱۷۵۹۸،باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات)

۲ے قال الهيثمي:رواه الطبراني، وفيه أبو أمية بن يعلى، وهو ضعيف(مجمع الزوائد،رقم الحديث ۱۷۵۹۹،باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات)

''ھٰکذا إزرةُ صاحبنا'' حدیث کی سندی تحقیق

(10-رجب المرجب-1447ھ)

بعض بڑے علماء اپنے بیانات میں یہ حدیث بڑی شد ومد کے ساتھ سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے پاس بھیجا، ان کو مشرکین نے ازار کے آدھی پنڈلی تک ہونے پر عار دلائی، تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:

''ھٰکذا إزرة صاحبنا''

بعض حضرات نے ہم سے اس حدیث کی سند کے متعلق معلوم کیا، تو ہم تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ الفاظ ایک لمبی حدیث کا حصہ ہیں، اور اس حدیث کو ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، جس کی سند اور الفاظ درج ذیل ہیں:

حدثنا عبيد الله بن موسى ، عن موسى بن عبيدة ، قال :حدثني إياس بن سلمة ، عن أبيه ، قال :بعثت قريش خارجة بن كرز يطلع لهم طليعة ,فرجع حامدا يحسن الثناء ,فقالوا له :إنك أعرابي ، قعقعوا لك السلاح فطار فؤادك ، فما دريت ما قيل لك وما قلت ، ثم أرسلوا عروة بن مسعود فجاءه ، فقال :يا محمد ,ما هذا الحديث ؟ تدعو إلى ذات الله ، ثم جئت قومك بأوباش الناس , من تعرف ومن لا تعرف ,لتقطع أرحامهم ، وتستحل حرمتهم ودماء هم وأموالهم ، فقال :إني لم آت قومي إلا لأصل أرحامهم ,يبدلهم الله بدين خير من دينهم ,ومعايش خير من معايشهم ,فرجع حامدا بحسن الثناء .

قال :قال إياس ، عن أبيه :فاشتد البلاء على من كان في يد المشركين من المسلمين ، قال :فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر ، فقال :يا عمر , هل أنت مبلغ عني إخوانك من أساري المسلمين ؟ فقال :لا ، يا نبي الله ,والله ما لي بمكة من عشيرة ,غيري أكثر عشيرة مني ,فدعا عثمان فأرسله إليهم ، فخرج عثمان على راحلته ، حتى جاء عسكر المشركين ,فعبثوا به ، وأساؤوا له القول ، ثم أجاره أبان بن سعيد بن العاص ، ابن عمه ، وحمله على السرج وردفه، فلما قدم ، قال :يابن عم ,ما لي أراك متحشفا ؟ أسبل ، قال :وكان إزاره إلى نصف ساقيه ، فقال له عثمان :هكذا إزرة صاحبنا ,فلم يدع أحدا بمكة من أساري المسلمين ، إلا أبلغهم ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

www.idaraghufran.org

قال سلمة :فبينما نحن قائلون ، نادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم : أيها الناس ,البيعة ، البيعة ,نزل روح القدس ، قال :فسرنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وهو تحت شجرة سمرة ، فبايعناه ,وذلک قول الله :(لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونک تحت الشجرة) قال :فبايع لعثمان إحدى يديه على الأخرى ، فقال الناس :هنيئا لأبى عبد الله ,يطوف بالبيت ونحن هاهنا ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لو مكث كذا وكذا سنة ، ما طاف حتى أطوف(مصنف ابنِ ابی شیبة،رقم الحدیث۳۸۰۰۷،غزوة الحديبية)

لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی ''موسیٰ بن عبیدہ ربذی'' پائے جاتے ہیں،جن کو محدثین نے ضعیف، بلکہ بیشتر نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ احمد بن ابی بکر بوصیری اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا إسناد ضعيف ، لضعف موسى بن عبيدة الربذى (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،ج۴،ص ۵۱۷،باب موضع الإزار)

ترجمہ:یہ حدیث ضعیف ہے،موسیٰ بن عبیدہ ربذی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے(اتحاف)

علامہ ہیثمی نے ''مجمعُ الزوائد'' میں ''موسیٰ بن عبیدہ ربذی'' کو کئی جگہ ضعیف کہا ہے۔

اور ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ:

وفيه موسى بن عبيدة الربذى، وهو ضعيف جدا (مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث۵۲۸،باب فى فضل العلماء ومجالستهم)

ترجمہ:اور اس حدیث میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہیں، جو شدید ضعیف ہیں (مجمع الزوائد)

نیز ایک اور حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ:

وفيه موسى بن عبيدة الربذى، وهو متروک (مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث۱۵۰۲۵،باب فى فضل أهل البيت رضى الله عنهم)

ترجمہ:اور اس حدیث میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہیں،اور یہ متروک ہیں (مجمع الزوائد)

اور حافظ ذہبی نے موسیٰ بن عبیدہ ربذی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

موسى بن عبيدة (ت، ق) الربذى.عن نافع، ومحمد بن كعب القرظى.وعنه

شعبة، وروح بن عبادة، وعبيد الله، وجماعة.قال أحمد :لا يكتب حديثه .وقال النسائي وغيره :ضعيف.

وقال ابن عدي:الضعف على رواياته بين.وقال ابن معين :ليس بشيء.وقال -مرة: لا يحتج بحديثه.وقال يحيى بن سعيد :كنا نتقي حديثه.

وقال ابن سعد :ثقة، وليس بحجة.وقال يعقوب بن شيبة :صدوق ضعيف الحديث جدا(میزان الاعتدال، ج۴،ص۲۱۳،حرف المیم)

ترجمہ: موسیٰ بن عبیدہ ربذی، نافع اور محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں،اور ان سے روح بن عبادہ،اور عبیداللہ،اور ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

امام احمد نے فرمایا کہ ان کی حدیث کو لکھا نہیں جائے گا۔

اور امام نسائی وغیرہ نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہیں۔

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ ان کی روایات میں کمزوری بالکل واضح ہے۔

اور ابنِ معین نے فرمایا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے،اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔

اور یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ ہم ان کی حدیث سے بچا کرتے تھے۔

اور ابنِ سعد نے فرمایا کہ ثقہ ہیں،لیکن یہ حجت نہیں۔

اور یعقوب بن شیبہ نے فرمایا کہ یہ سچے ہیں،لیکن حدیث میں شدید ضعیف ہیں(میزان الاعتدال)

پس مذکورہ حدیث بیشتر حضرات کے نزدیک سند کے اعتبار سے شدید ضعیف ہے،اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے،جس کے ضعیف ہونے کی حالت کو پردہ میں رکھ کر بیان کرنا بھی راجح نہیں، جس کی تفصیل ہم نے اپنی مفصل تالیف ''ضعیف وموضوع حدیث کا حکم'' میں بیان کردی ہے۔

مسجدوں، مدرسوں، دفتروں اور گھروں کے لیے یکساں مفید

نقشہ اوقاتِ نماز، سحر وافطار (برائے راولپنڈی واسلام آباد شہر)

جاری کردہ: ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی 051-5507270

www.idaraghufran.org

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط60) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (اڑتیسواں حصہ)

مؤطا امام مالک

امام مالک رحمہ اللہ کا شمار فقہائے حدیث کے طور پر بھی ہوتا ہے، اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں امام مالک رحمہ اللہ کی اپنی سند کے ساتھ جمع کردہ احادیث کے نسخے کو ''مؤطا امام مالک'' کے نام سے جانا جاتا ہے، ''مؤطا امام مالک'' کو حدیث کی کتابوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، جو کہ احادیث کی کتابوں اور خاص طور پر مالکی مسلک میں ایک بنیادی اور ابتدائی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں حدیث فقہ کی تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا، اور اس دوران کئی علماء وفقہاء نے کتابیں مدون کیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ کی تالیف کردہ ''مؤطا'' کو ان میں ایک خاص مقام حاصل ہے، اور اس کتاب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ وہ پہلی شخصیت ہیں کہ جنہوں نے خود اس کتاب کو تالیف فرمایا، اور آپ کی یہ تصنیف، فنِ حدیث سے متعلق آج بھی امت کے ہاتھوں میں موجود ہے، اور اس کے بعد ''مسند احمد'' جو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تالیف کردہ ہے، جبکہ باقی دیگر ائمہ کی طرف منسوب کتب ان کی اپنی تالیف کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے اصحاب وشاگردوں کی جمع کردہ روایات پر مبنی ہیں۔

''مؤطا امام مالک'' فقہ کی کتاب بھی ہے اور حدیث کی بھی، کیونکہ یہ کتاب مرفوع احادیث کے علاوہ بہت سے فقہی احکام پر مبنی فقہاء صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے فتاوی، فیصلہ جات اور اجتہادات سے بھی مالا مال ہے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات، اور ابنِ عمر، حضرت عائشہ اور فقہائے سبعہ کے اقوال وغیرہ، جو کہ فقہ اور اصول فقہ کے بارے میں امام مالکؒ

کے نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے (حجة الله البالغة، ص ۳۰۷، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء)

محدثین کے نزدیک احادیث کو نقل کرنے کے باب میں ''مالک عن نافع عن ابنِ عمر'' کی سند، انتہائی قابلِ اعتبار، مضبوط اور سلسلۃ الذہب شمار ہوتی ہے، یعنی احادیث کی اسناد کی ایک ایسی سنہری کڑی، جس میں کوئی کھوٹ نہیں۔

چنانچہ ''مؤطا امام مالک'' آپ کی زندگی میں ہی شہرت کی بلندیوں کو چھو چکی تھی، انہی کی زندگی میں یہ کتاب اندلس میں آپ کے شاگرد ''یحییٰ بن یحییٰ مصمودی'' کے ذریعہ پہنچ چکی تھی، اور اس کے علاوہ آپ کے دیگر تلامیذ واصحاب میں سے جن جن حضرات نے امام مالک سے اس کو سماعت فرمایا تھا، اپنے اپنے علاقوں میں پہنچا چکے تھے، اور افریقہ اور دیگر مغربی ممالک میں ''مؤطا'' کی ترویج کے ساتھ ساتھ اہل مشرق بھی اس کتاب کے نسخوں کو اپنے اپنے علاقوں کی زینت بنا چکے تھے۔

چنانچہ آپ کے شاگردوں میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں جو لگ بھگ نو برس تک آپ کی خدمت میں رہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے آپ کے مایۂ ناز شاگرد اسد بن فرات سے، جب وہ تحصیل علم کے لیے عراق تشریف لائے، مؤطا کا درس لیا۔

جبکہ امام محمد نے تو براہِ راست امام مالک سے ''مؤطا'' کی سماعت فرمائی، اور بعد میں امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے دیگر اساتذہ کرام سے سنی ہوئی احادیث کو بھی موطا میں درج کیا تھا، لیکن یہ وہ روایات تھیں کہ جن کو امام مالک نے اپنی موطا میں بیان نہیں کیا تھا، اسی بناء پر ان کی موطا، موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے، جس کا مکمل نام ''موطأ مالک بروایة محمد بن الحسن الشیبانی'' ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں ہر حدیث کے آخر میں حنفی مسائل کو بھی ذکر کیا ہے۔ [1]

[1] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:
''آپ سے اتنے زیادہ لوگوں نے حدیث روایت کی ہے کہ ان کو شمار میں لانا مشکل ہے (تذکرة الحفاظ، ج۱، ص۱۹۴)
جبکہ قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں آپ کے جن تلامیذ واصحاب کا ذکر کیا ہے، ان کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) سے زائد بنتی ہے۔
اور آپ کے تلامذہ میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی رحمہ اللہ (م۲۳۴ھ) بڑے مقام ورتبہ کے مالک تھے، آپ اندلس سے لگ بھگ چھ ہزار کلومیٹر کا سفر طے کر کے امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، جو کہ بعد میں اندلس اور ملحقہ علاقوں میں مالکی مسلک کے ناشر وترجمان بنے، جن سے مالکی مسلک کو مغربی ممالک میں بہت فروغ حاصل ہوا۔

مؤطا امام مالک کے راوی

امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کے رواۃ (راویوں) کی تعداد بہت زیادہ ہے، مختلف زمانوں میں مختلف علماء نے امام مالک سے اس کی تحصیل کی ہے، اس اختلافِ زمانی کے نتیجہ میں مؤطا لگ بھگ تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں صرف 16 روایتیں مشہور ومعتبر ہیں، پھران میں بھی سب سے زیادہ اہمیت تین مؤطاؤں کو حاصل ہے، ''مؤطا امام محمد، موطأ یحییٰ بن یحییٰ'' (آج کل یہی متداول ہے) اور ''موطأ ابنِ وہب''۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''بستانُ المحدثین'' میں فرماتے ہیں کہ:

> امام مالک رحمہ اللہ سے ان کے زمانہ میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے موطأ کو سماعت کرکے جمع کیا، چنانچہ اس کے بہت سے نسخے ہیں، اور لوگوں کے طبقہ ومحدثین اور صوفیاء اور امراء اور خلفاء نے تبرکاً اس عالی مقام امام سے اس کی سند حاصل کی، آج کل ملک عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں، پہلا نسخہ جس کا سب سے زیادہ رواج اور جو سب سے زیادہ مشہور ہے، اور طائفہ علماء کا مخدوم بھی یہی نسخہ ہے، وہ ''یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی'' کا نسخہ ہے، بلکہ مصمودی کی روایت کو بالاتفاق معتبر ترین اور مقبول ترین قرار دیا جاتا ہے (بستان المحدثین، ملخصاً، ص ۲۱)

''مؤطا، روایۃ یحییٰ مصمودی'' کی خصوصیات

شیخ یحییٰ مصمودی کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کی روایت وحفاظت ہے، یوں تو امام مالک سے موطا کا سماع حاصل کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے، لیکن ان سب نے امام صاحب کی مرویات کو اس طرح محفوظ نہیں کیا، جس طرح سے آپ کے چند مایہ ناز اصحاب وتلامذہ نے اپنی اپنی روایات وسماع کے مطابق موطاء کو جمع کرنے کا اہتمام کیا، جن کی تعداد علامہ محقق زاہد الکوثری (متوفیٰ: 1371ھ) کے مطابق 24 ہے، جب کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بستان المحدثین'' میں ایسے سولہ (16) افراد کے نام اور مختصر تاریخ ذکر فرمائی

کہ جنہوں نے انتہائی اہتمام کے ساتھ موطاء کو محفوظ و جمع کیا، اور جبکہ بعض کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ (11) ہے، اور ان میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں:

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی، عبداللّٰہ بن وھب، ابن القاسم، عبداللّٰہ بن مسلم قعنبی، معن بن عیسیٰ، عبداللّٰہ بن یوسف تینسی، یحییٰ بن بکیر، سعید بن عفیر، ابو مصعب زھری، مصعب بن عبداللّٰہ زبیری، محمد بن مبارک صوری، سلیمان بن برد، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی، ابو حذافہ سھمی، سوید بن سعید اور امام محمد بن الحسن الشیبانی

(بستان المحدثین، ص ۲۲، ملخصاً)

مذکورہ بالا نسخوں میں درج ذیل زیادہ مشہور اور متداول نسخے شمار ہوتے ہیں، اور بآسانی دستیاب بھی ہیں:

الموطأ: روایة محمد بن الحسن . الموطأ: روایة یحییٰ اللیثی. الموطأ: روایة أبی مصعب الزھری، موطأ عبد اللّٰہ بن وھب، موطأ ابن بکیر.

پھر موطأ کے ان نسخوں میں بھی جو خاص مقام اور قبولیت جن نسخوں کو حاصل ہوا، یعنی جو نسخے زیادہ مشہور و متداول ہیں، وہ دو ہیں، ایک یحییٰ مصمودی کا، اور دوسرا امام محمد کا، لیکن ان دونوں میں بھی نسخہ مصمودی کو زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی، حتیٰ کہ آج ساری دنیا میں مؤطا کا اطلاق نسخہ مصمودی ہی پر ہوتا ہے۔

اور اس نسخہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کے وقت زیر سماعت تھا (جیسا کہ پہلے گزرا) کیونکہ یحییٰ مصمودی نے اس کا سماع امام مالک سے اسی سال کیا جس سال ان کی رحلت ہوئی، یہاں تک کہ امام مالک رحمہ اللہ کے آخری وقت تک ان کے پاس موجود تھے، اس طرح وہ مؤطا کے تمام نسخوں میں آخری نسخہ قرار پاتا ہے، جو امام مالک کی نظر سے گزرا۔

(.....جاری ہے)

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط110) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جدید دنیا پر اثرات (حصہ:3)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عدل وانصاف کا جو عملی نمونہ قائم ہوا، وہ محض اخلاقی وعظ یا حکمرانی کے روایتی انداز تک محدود نہیں تھا، بلکہ ایک واضح قانونی اصول کی حیثیت رکھتا تھا جو انسانی آزادی، مساوات اور شفاف طرزِ حکمرانی کی بنیادوں پر قائم تھا متقدمین کے ماخذ جیسے طبری، ابن سعد، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ریاستی اتھارٹی کا جواز اخلاقی برتری سے نہیں بلکہ قانون کی پابندی اور عوامی اعتماد سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظامِ حکومت کی اصل روح یہ تھی کہ ریاست ایک شخصی ہیبت یا موروثی رتبے سے نہیں بلکہ قانونی شفافیت اور اخلاقی احتساب سے چلے۔ ان کے نزدیک اقتدار کا معنی کسی بلند مسند پر بیٹھ جانا نہیں تھا، بلکہ عوام کے سامنے جواب دہ ہونا تھا، اسی لیے وہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں راستے میں پڑے ہوئے ایک اونٹ سے بھی غافل ہو جاؤں تو ڈرتا ہوں کہ اللہ مجھ سے اس کا حساب نہ لے لے۔ یہ احساسِ جواب دہی اس قدر گہرا تھا کہ انہوں نے قاضیوں کو واضح ہدایات دیں کہ فیصلے میں نہ کسی منصب کو رعایت دی جائے اور نہ کسی غریب کو محض ہمدردی کے نام پر فوقیت۔ کیونکہ عدل، ہمدردی یا رعب سے بلند ایک مستقل قدر ہے۔ یہی وہ عدل ہے جو جدید دنیا میں Impartial Judiciary اور Institutional Accountability کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فاروقی دور کی عدالتیں، اگرچہ اپنے دور میں سادہ تھیں، مگر ان کا فکری ڈھانچہ جدید آئینی ریاست کے کئی بنیادی اصولوں سے کہیں زیادہ مستحکم اور بامعنی تھا۔

خلیفہ کا عدالت میں پیش ہونا Rule of Law کی اولین مثال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف عدالت کے فیصلوں کا احترام ہی نہیں کرتے تھے بلکہ متعدد مواقع پر

اپنے خلاف مقدمات میں ایک عام شہری کی طرح فریق بن کر عدالت میں پیش ہوئے۔ایک مشہور واقعہ اس سلسلہ میں حضرت شعبی سے روایت ہے کہ:

أَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَرَسًا مِنْ رَجُلٍ عَلَى سَوْمٍ، فَحَمَلَ عَلَيْهِ رَجُلًا فَعَطَبَ عِنْدَهُ، فَخَاصَمَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ: اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ رَجُلًا، فَقَالَ الرَّجُلُ: فَإِنِّي أَرْضَى بِشُرَيْحٍ الْعِرَاقِيِّ، فَأَتَوْا شُرَيْحًا، فَقَالَ شُرَيْحٌ لِعُمَرَ: أَخَذْتَهُ صَحِيحًا سَلِيمًا، وَأَنْتَ لَهُ ضَامِنٌ حَتَّى تَرُدَّهُ صَحِيحًا سَالِمًا، فَأَعْجَبَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَعَيَّنَهُ قَاضِيًا (معرفة السنن والآثار للبيهقي رقم 11008)

ترجمہ:حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے ایک گھوڑا آزمانے (جانچنے) کے لیے لیا۔ پھرانہوں نے وہ گھوڑا ایک دوسرے آدمی کو سواری کے لیے دیا، تو وہ گھوڑا اس کے پاس جا کر زخمی یا خراب ہوگیا۔اس پر گھوڑے کے مالک نے عمر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان کسی کو فیصلہ کرنے والا بنا دیتے ہیں۔اس شخص نے کہا کہ میں شریح عراقی پر راضی ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں شریح کے پاس گئے ۔شریح نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے گھوڑا صحیح وسالم لیا تھا،لہٰذا آپ اس کے ذمہ دار ہیں، یہاں تک کہ اسے اسی طرح صحیح وسالم واپس کریں۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریح کے فیصلے سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں قاضی مقرر کر دیا۔

یہ طرزِ عمل اُس بنیادی اصول کے عین مطابق ہے جسے آج کی دنیا میں Equality before Law کہا جاتا ہے یعنی قانون کے سامنے ہر شخص برابر ہے،خواہ وہ ریاست کا سربراہ ہی کیوں نہ ہو۔جدید آئینی ریاستوں میں یہ اصول A.V. Dicey کے بیان کردہ Rule of Law کا ستون ہے،مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ساتویں صدی میں عملاً نافذ کر کے دکھایا۔

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

پلازہ کی بتی گُل

پیارے بچو! کراچی کی صبح ہمیشہ کی طرح ہجوم اور ہارنوں کے شور میں بیدار ہو رہی تھی، مگر ایم اے جناح روڈ کے وسط میں ایستادہ گل پلازہ آج کچھ اور ہی شان رکھتا تھا۔ دو منزلہ دکانوں کے شیشوں سے سورج کی کرنیں اس طرح جھلک رہی تھیں جیسے یہ عمارت شہر کے مستقبل پر امید کا کوئی وعدہ ہو۔ اسی پلازے میں شہباز کی چھوٹی سی ہول سیل کی دکان تھی، ایک نوجوان محنت کش، جس کی آنکھوں میں اپنے خاندان کو بہتر زندگی دینے کے خواب تھے۔

شہباز کا دوست، ناصر، اسی پلازے کے باہر ایک چھوٹے سے اسٹال پر چائے بیچتا تھا۔ وہ روزانہ شام کو پلازے کے اندر آنے والی رونق کو دیکھ کر کہتا:

''یار شہباز! یہ پلازہ صرف عمارت نہیں، یہ پورے شہر کی کمائی ہے۔ اسے محفوظ ہونا چاہیے، یہ رہنا چاہیے! مگر شہباز ہنستے ہوئے جواب دیتا، یہ کراچی ہے بھائی۔۔۔۔ یہاں رزق تو ہے، مگر حفاظت قسمت والوں کی ہوتی ہے۔''

اسی دن علی بھی پلازے پہنچا، جو شہباز کا پرانا اسکول دوست تھا۔ وہ شکایت کرتا کہ پلازے کا فائر الارم ٹھیک نہیں چل رہا، تاریں جگہ جگہ ننگی پڑی ہیں، اور کسی کو پرواہ نہیں۔ اگر کبھی کچھ ہو گیا تو؟ اس نے تشویش سے سوال کیا۔

''شہباز نے کندھے اچکائے، یہاں کون سنتا ہے؟ دکاندار صرف کرایہ دیتے ہیں، مالکان صرف پیسہ لیتے ہیں۔۔۔ اور حکومت؟ وہ صرف حادثے کے بعد آتی ہے۔ اور وہ بھی ناقص تیاریوں کے ساتھ''

شام ڈھلنے لگی تو اچانک پلازے کے اندر سے دھواں اٹھنے لگا۔ پہلے تو لوگوں نے اسے معمول کا شارٹ سرکٹ سمجھا، مگر لمحوں میں آگ شیشوں کے پیچھے لپکنے لگی۔ بازار میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ شہباز نے خطرہ دیکھتے ہی ناصر کو آواز دی، دوکان کے اندر بچے ہیں، کچھ لوگ بھی ہیں، مجھے اندر

جانا ہے! ناصر نے اس کا ہاتھ پکڑا، پاگل ہو گئے ہو؟ آگ بہت تیز ہے! مگر شہباز نہ رکا۔
پلازہ اندر سے جہنم کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔ دھواں، ٹوٹتی چھتیں، اور چیخوں کی گونج شہباز نے اندھیرے اور دھوئیں میں ہاتھ مار کر دو محنت کشوں کو باہر نکالا، مگر واپس لوٹنے لگا تو علی نے اسے روک لیا۔

''بس کر، عمارت گرنے والی ہے! مگر شہباز کی آنکھوں میں اپنی دکان نہیں، صرف انسانیت کا خوف تھا۔ وہ چیخا، کوئی نہ بچے گا اگر ہم نہ چلے!''

پھر وہی ہوا جس کا ڈر سب کو تھا۔ عمارت کا ایک بڑا حصہ دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہوا۔ ناصر نے دور کھڑے ہو کر دیکھا کہ کیسے گرد و غبار کے بادل میں شہباز اور علی کی صورتیں غائب ہو گئیں۔ سائرنوں کی آوازیں، فائر بریگیڈ کی گاڑیاں، اور لوگ اپنے پیاروں کے نام پکار رہے تھے۔ کراچی کی رات ایک طویل ماتم میں ڈوب گئی۔

دو دن بعد جب ملبہ ہٹایا جا رہا تھا تو ریسکیو اہلکاروں نے شہباز اور علی کی لاشیں ایک دوسرے کے قریب پائیں جیسے دونوں آخری لمحے تک ایک دوسرے کو سہارا دیتے رہے ہوں۔ ناصر نے ان کے چہروں پر جمی دھول صاف کرتے ہوئے کہا، یہ پلازہ صرف ان کی روزی کا نہیں تھا، ان کی جوانی، ان کی امیدوں، اور ان کے خوابوں کا گھر تھا اور یہ ملبہ صرف اینٹوں کا نہیں، پورے نظام کی خامیوں کا ہے۔

کراچی نے اس سانحے سے بہت کچھ سیکھا، مگر سب سے بڑی نصیحت یہی تھی کہ عمارتیں صرف دیواروں سے نہیں ٹکا کرتی، وہ ذمہ داری، حفاظت اور قانون پر قائم رہتی ہیں۔ حکومت کو یاد دلایا گیا کہ اگر فائر سیفٹی قوانین صرف کاغذوں میں رہیں تو شہباز جیسے جوان ملبے کا حصہ بنتے رہیں گے۔ اور عوام کو بھی یہ احساس ہوا کہ سستی، لاپرواہی، اور ''چلتا ہے'' جیسی سوچ آخرکار پورے معاشرے کو جلا دیتی ہے۔

گل پلازہ کا ملبہ برسوں بعد بھی لوگوں کو یہی کہانی سناتا رہے گا کہ شہر صرف روشنیوں سے نہیں، ضمیر سے جیتے جاتے ہیں۔

بزم خواتین

مولانا محمد ریحان

فیمینزم اور دور کے ڈھول

معزز خواتین! عصرِ حاضر کی فکری دنیا میں فیمینزم کو آزادی، انصاف اور مساوات کا پرچم بردار قرار دیا جاتا ہے، مگر جب اس نظریے کو اس کے تاریخی اور فکری پس منظر میں پرکھا جائے تو تصویر بہت مختلف دکھائی دیتی ہے۔ مغرب کے فکری بحرانوں سے جنم لینے والا فیمینزم، بالخصوص اس کی تیسری اور چوتھی لہریں، عورت کی عزت اور وقار کو نہیں بڑھاتیں بلکہ اسے ایک نئے معاشی و جنسی استحصال کی منڈی میں دھکیلتی ہیں۔ سمن ڈی بووآر نے جب یہ لکھا کہ:

"On ne naît pas femme: on le devient"

''عورت پیدا نہیں ہوتی، بنادی جاتی ہے''

تو اس جملے نے حقیقت سے زیادہ ساختیات کے دیوتاؤں کے آگے ایک فکری سجدہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت اور جنسی امتیازات کو مٹانے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوئی، بلکہ ہر بار معاشرتی انتشار اور اخلاقی خلا کو جنم دیا۔

مغربی فیمینزم کی بنیاد اسی تہذیب میں رکھی گئی جو صدیوں تک عورت کو ملکیت، جنس اور لیبر کے طور پر استعمال کرتی رہی۔ صنعتی انقلاب کے بعد عورت کو گھر سے نکال کر مزدوری کی منڈی میں دھکیلا گیا، اور آج خواتین مغربی دنیا میں دوہری مزدوری کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں گھر کی ذمہ داری بھی انہی کی، اور کارخانے یا دفتر کی تھکان بھی ان کی۔ مشیل بیرڈن کے مطابق، فیمینزم نے عورت کو بااختیار نہیں کیا، اسے محض مارکیٹ اکانومی کے لیے زیادہ قابلِ استعمال بنادیا ہے۔

Bairden, Michelle. Women and the Market State. London: Routledge, 2013 p 147

یہ وہ پہلو ہے جو مغربی خطبوں اور سیمیناروں میں ہمیشہ نظر انداز ہوتا ہے۔ آج کا سوکالڈ فیمینزم اپنی جڑوں سے اتنا دور ہو گیا ہے کہ اب وہ عورت کی آزادی کے نام پر ایک ایسی خود ساختہ شناخت بنا رہا

ہے جس میں گھر، خاندان، مادری فطرت، تقدس اور حیاء جیسے الفاظ جرم بن چکے ہیں۔

یہی وہ نکتہ ہے جس پر اسلامی تہذیب کا تصورِ نسوانیت فکراً برتری رکھتا ہے۔ وہ عورت کی حیثیت کو مردانہ پیمانوں پر تولنے سے انکار کرتا ہے۔ اسلامی تناظر میں عورت نہ تو بازار کی جنس ہے اور نہ ہی گھر کی غلام۔ قرآن میں کرم اور تقویٰ کو بنیاد بنا کر جو انسانی تصور دیا گیا ہے، وہ نہ جنس پرستی کا شکار ہے اور نہ جنس بیزاری کا۔ فاطمہ مرنیسی، جو خود مغربی فیمینزم سے متاثر تھیں، بعد ازاں اس نتیجے پر پہنچیں کہ اسلام عورت کی سماجی شرکت کو نہ روکتا ہے نہ گھٹاتا ہے، اصل مسئلہ مسلمانوں کی سماجی روایات ہیں، اسلام نہیں ہے۔

Mernissi, Fatima. The Veil and the Male Elite. New York: Perseus Books, 1991 p 45

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیمینزم کا اصل دشمن مذہب نہیں بلکہ مغرب کا اپنا تاریخی ریکارڈ ہے۔ جدید فیمینسٹ تحریک آج جس سمت میں بڑھ رہی ہے، وہاں عورت کی شناخت جنسیت، لذت اور خواہش کی سیاست میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ ''میرا جسم میری مرضی'' جیسے نعروں نے عورت کو مرد کے استحصالی رویوں سے آزاد نہیں کیا، بلکہ اسے اسی جنسیت زدہ کھیل کا نیا چہرہ بنا دیا ہے۔ ایوا ایلوش نے اپنی کتاب **Cold Intimacies** میں لکھا ہے کہ لبرل معاشرے نے عورت کو آزادی کے نام پر جنسی مارکیٹ کی کرنسی بنا دیا ہے۔

Illouz, Eva. Cold Intimacies: The Making of Emotional Capitalism. Cambridge: Polity Press, 2007p 63

یہ سرمایہ دارانہ فیمینزم کا سب سے ظاہری اور خوش نما چہرہ ہے۔ معاشی پیمانے پر بھی فیمینزم کا فلسفہ تضاد کا شکار ہے۔ سرمایہ دار کمپنیاں عورت کے لباس، بدن اور حسن کو اربوں ڈالر کی مارکیٹ بنانے میں مصروف ہیں، میگزینوں سے فلموں تک ہر جگہ عورت کی شبیہ کو استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ فیمینزم خاموش تماشائی بن کر رہ جاتا ہے۔ جینیفر ہورٹ مین لکھتی ہیں کہ فیشن انڈسٹری اور سوشل میڈیا نے عورت کی ذہنی و جذباتی مجبوریوں کو سرمایہ کاری کا سب سے منافع بخش ذریعہ بنا دیا ہے۔

Hortman, Jennifer. Feminism and the Commodification of Women. Journal of Cultural Economics 44, no. 2 (2020)p 205.

فیمینزم اپنے جدید ترین مرحلے میں مرد اور عورت دونوں کے لیے نفسیاتی بحران پیدا کر چکا ہے۔ جنس کی لغوی وحیاتیاتی حقیقت سے انکار نے نوجوان نسل کو ایک ایسے وجودی خلا میں پھینک دیا ہے جس میں شناخت، کردار، خاندان اور رشتوں کا مفہوم دھندلا گیا ہے۔اس بحران کو مُرے کی کتاب The Madness of Crowds نے نہایت خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ جب معاشرہ حیاتیاتی حقیقت سے نظریاتی جنگ شروع کرے تو اس کا انجام ذہنی ٹوٹ پھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

Murray, Douglas. The Madness of Crowds. London: Bloomsbury, 2019 p 104

اسلامی فکر نہ تو عورت کو دبانے کا قائل ہے اور نہ ہی اسے خود سے بے گانہ کرنے کا۔ خاندان، عفت، عدل، وراثت، مشاورت، اور حقوق کی شریعت واقعتاً عورت کی حقیقی آزادی کی ضامن ہے وہ آزادی جو ذمہ داری کے ساتھ، وقار کے ساتھ، اور فطری توازن کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس نے صدیوں تک مسلم معاشروں کو استحکام دیا۔

مغربی فیمینزم کا آئینہ صاف دکھاتا ہے کہ عورت کی اصل جنگ مرد سے نہیں، معاشی استعمار اور اخلاقی بے سمتی سے ہے۔اسلام اس جنگ کا نہ صرف متبادل فراہم کرتا ہے بلکہ ایک ایسا جامع نظام بھی دیتا ہے جس میں عورت اور مرد دونوں فطرت کی سیدھی راہ پر چل سکیں۔ جب تک فیمینزم اپنے فکری تضادات کا اعتراف نہیں کرتا، وہ عورت کے دکھوں کی دوا نہیں بن سکتا صرف ایک نعرہ، ایک احتجاج، اور ایک مارکیٹنگ اسٹریٹجی ہی رہتا ہے۔

اس پس منظر میں واضح ہوتا ہے کہ حقیقی آزادی کبھی انفرادی نعرے یا بازاری مارکیٹ سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی آزادی ایسے نظام کا نام ہے جو تعلیم، اخلاق، سماجی شعور، اور روحانی بصیرت کے ساتھ جڑا ہو۔اسلام نے عورت کو نہ صرف حقوق دیے بلکہ اس کے کردار، معاشرتی حصے داری اور ذاتی وقار کے لیے ضابطے بھی متعین کیے تاکہ اس کی آزادی ذمہ داری کے ساتھ معنی رکھے۔اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کسی بھی سماج میں حقیقی فیمینزم وہی ہے جو فطرت، اخلاق اور عدالت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو، نہ کہ وہ جو صرف نظریاتی یا معاشی استحصال کے ذریعے عورت کو آزادی کا دعویٰ دیتا ہو۔

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

دعاءِ تعزیت میں ہاتھ اٹھانے کا حکم (قسط:1)

آج کل بعض علاقوں میں تعزیت کے موقع پر مغفرت کی دعاء کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاتی ہے، اور اس سلسلہ میں شدید اختلاف رونما ہوتا ہے، اس کے متعلق بعض علماء نے ہماری رائے معلوم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، جس پر مندرجہ ذیل تحقیق کی گئی۔ (ادارہ)

تعزیت کی حقیقت

بعض احادیث میں تعزیت کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ [1]

لیکن قرآن وسنت سے دوسرے مسلمان کو صبر وتحمل اور رضاء بالقضاء کی تسلی وترغیب دینے، دعاء کرنے، اور مسلمان میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنے کا اصولی طور پر ثبوت ملتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف مواقع پر اس کا ثبوت معتبر احادیث سے ملتا ہے۔

اس لئے محدثینِ عظام وفقہائے کرام نے تعزیت کے موقع پر اہلِ میت کو صبر وتحمل کی تلقین کرنا اور اس پر آخرت کے اجر وثواب کو یاد دلانا، اس کے لئے اجرِ عظیم کی دعاء کرنا اور ساتھ ہی مومن میت

---

[1] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنِي قَيْسٌ أَبُو عُمَارَةَ مَوْلَى الْأَنْصَارِ، قَالَ :سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِعَنْ جَدِّهِ، عَنْ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، أَنَّهُ قَالَ" :مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّي أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ، إِلَّا كَسَاهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(سنن ابن ماجه،رقم الحديث ١٦٠١ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف لضعف قيس أبى عمارة .وأخرجه عبد بن حميد (287)، والبيهقى 4/ 59، والمزى فى ترجمة قيس أبى عمارة من "تهذيب الكمال 90 /24 "من طريقين عن قيس أبى عمارة، بهذا الإسناد(حاشية سنن ابن ماجه)

-حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ الْأَسْوَدِعَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :-مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ(سنن ابن ماجه،رقم الحديث ١٦٠٢ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف لضعف على بن عاصم .إبراهيم :هو ابن يزيد النخعى، والأسود :هو ابن يزيد النخعى.وأخرجه الترمذى (1096) من طريق على بن عاصم، بهذا الإسناد(حاشية سنن ابن ماجه)

www.idaraghufran.org

کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا سنت ومستحب قرار دیا ہے۔

البتہ غیر مسلم کے لئے مغفرت کی دعاء ممنوع ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

أجمع العلماء على أن الدعاء للأموات ينفعهم لقوله تعالى (والذين جاء وا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان) (الحشر) ، وقوله - عليه الصلاة والسلام :-اللهم اغفر لأهل البقيع وقوله اللهم اغفر لحينا وميتنا (تنقيح الفتاوى الحامدية، ج۲،ص۳۲۵،مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلک)

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دعاء سے (مومن) فوت شدگان کو نفع پہنچتا ہے،اللہ تعالیٰ کے سورہ حشر میں اس فرمان کی وجہ سے کہ:

"وَالَّذِينَ جَاءُ وا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ:"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ الْبَقِيعِ"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ:"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا"

(تنقیح فتاویٰ حامدیہ)

اور ابوبکر جصاص رازی حنفی فرماتے ہیں:

التعزية فيها وعظ وتذكير ودعاء ، وذلک مستحب (شرح مختصر الطحاوی، ج۲، ص ۴۹۴، كتاب الصلاة)

ترجمہ: تعزیت میں وعظ ونصیحت اور دعاء ہوتی ہے،اور یہ مستحب ہے (شرح مختصر طحاوی)

اور علامہ بدرالدین عینی حنفی،ھدایہ کی شرح "البناية" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا بأس بتعزية أهل الميت وترغيبهم على الصبر، وعلى المعزى الرضى بقضاء الله عز وجل؛ لينال ثواب الصابرين، والدعاء للميت بالرحمة والمغفرة (البناية شرح الهداية، ج۲،ص۴۹۴، كتاب الصلاة)

ترجمہ: اور فوت شدہ کے اہلِ خانہ سے تعزیت کرنے ،اور ان کو صبر،اور تعزیت کئے جانے والے شخص کو اللہ عزوجل کے فیصلہ وقضاء پر راضی رہنے کی ترغیب دینے میں، تاکہ وہ صبر کرنے والوں کے اجروثواب کو پالیں،اور (مسلم) میت کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں (بنایہ)

اورامام نووی شافعی فرماتے ہیں:

معنى التعزية :الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر، والتحذير من الوزر بالجزع، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة (روضة الطالبين وعمدة المفتين،للنووی، ج ۲،ص ۱۴۴، كتاب الجنائز)

ترجمہ: تعزیت کا مطلب،صبر کی ترغیب دینا،اوراس پر اجر وثواب کے وعدہ پر ابھارنا،اور جزع وفزع کے وبال سے ڈرانا،اور میت کے لئے مغفرت کی اور مصیبت زدہ کی مصیبت کی تلافی کی دعاء کرنا ہے(روضہ)

اورابوالنجا موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

ومعنى التعزية :التسلية والحث على الصبر بوعد الأجر والدعاء للميت والمصاب ولا تعيين فيما يقوله ويختلف باختلاف المعزين :فإن شاء قال في تعزية المسلم بالمسلم :أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفر لميتك (الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، ج ۱،ص ۲۴۱، كتاب الجنائز)

ترجمہ:اور تعزیت کا مطلب،تسلی،اور صبر پر اجر کے وعدہ پر ابھارنا،اور میت اور مصیبت زدہ کے لئے دعاء کرنا ہے،اور کہے جانے والے الفاظ متعین نہیں، جو تعزیت کرنے والوں کے اعتبار سے مختلف ہوجاتے ہیں، پس اگر چاہے،تو مسلم، دوسرے مسلم کی تعزیت میں یہ کہے کہ اللہ تم کو اجرِ عظیم عطاء فرمائے،اور آپ کو عمدہ صبر عطاء فرمائے،اور تمہاری میت کی مغفرت فرمائے(اقناع)

اورابوالولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی مالکی فرماتے ہیں:

التعزية بالميت تجمع ثلاثة أشياء :أحدها تهوين المصيبة على المعزى وتسليته منها، وتحضيضه على التزام الصبر، واحتساب الأجر، والرضى بقدر الله، والتسليم لأمره .والثاني الدعاء له بأن يعوضه الله من مصابه جزيل الثواب، ويحسن له العقبى والمئاب .والثالث الدعاء للميت والترحم عليه، والاستغفار له (البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة، ج ۲،ص ۲۱۱، كتاب الجنائز)

ترجمہ: میت کی تعزیت میں تین چیزیں جمع ہوتی ہیں،ایک تعزیت کئے جانے والے

فرد کی مصیبت وغم کو ہلکا کرنا،اور اس کو تسلی دینا،اوراس کو صبر کے لازم پکڑنے پر ابھارنا،اوراس پر اجروثواب کی امید دلانا،اوراللہ کی تقدیروفیصلہ پر راضی رہنا،اوراس کے حکم پرسرِتسلیم خم کردینا۔اوردوسرے اس (تعزیت کئے جانے والے) مصیبت زدہ کے لئے دعاء کرنا کہ اللہ اس کی مصیبت کے عوض میں عمدہ اجروثواب عطاءفرمائے،اور اس کے لئے آخرت وانجام کوعمدہ کرے۔اورتیسرے میت کے لئے مغفرت ورحمت کی دعاء،اوراس کے لئے استغفار کرنا(البیان والتحصیل)

اورشمس الدین حطاب رعینی مالکی فرماتے ہیں:

والتعزية لثلاثة أشياء :أحدها تهوين المصيبة على المعزى، وتسليته منها، وتحضيضه على التزام الصبر واحتساب الأجر والرضا بقدر الله، والتسليم لأمره.والثاني :الدعاء بأن يعوضه الله من مصابه جزيل الثواب ويحسن له العقبى والمآب.والثالث الدعاء للميت والترحم عليه والاستغفار له انتهى.

وأما ألفاظ التعزية فقال فى الجواهر إثر كلامه المتقدم ذكر ابن حبيب ألفاظا فى التعزية عن جماعة من السلف، ثم قال والقول فى ذلك واسع إنما هو على قدر منطق الرجل وما يحضره فى ذلك من القول(مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل،ج۲،ص ۲۲۹،كتاب الجنائز)

ترجمہ: اورتعزیت تین چیزوں کے لئے ہوتی ہے،ایک تعزیت کئے جانے والے فرد کی مصیبت وغم کو ہلکا کرنا،اوراس کوتسلی دینا،اوراس کوصبرلازم پکڑنے پرابھارنا،اوراس پراجروثواب کی امید دلانا،اوراللہ کی تقدیروفیصلہ پرراضی رہنا،اوراس کے حکم پرسرِتسلیم خم کردینا۔اوردوسرے اس (تعزیت کئے جانے والے) مصیبت زدہ کے لئے دعاء کرنا کہ اللہ اس کی مصیبت کے عوض میں عمدہ اجروثواب عطاءفرمائے،اوراس کے لئے آخرت وانجام کوعمدہ کرے۔اورتیسرے میت کے لئے مغفرت ورحمت کی دعاء،اور اس کے لئے استغفار کرنا،بس۔اور جہاں تک تعزیت کے الفاظ کا تعلق ہے،تو جواہر میں گذشتہ کلام کونقل کرنے کے بعدفرمایا کہ ابنِ حبیب نے سلف کی ایک جماعت سے تعزیت کے الفاظ کا ذکر کیا ہے،پھرفرمایا کہ اس میں وسعت وگنجائش کا قول ہی لائق

ہے، یہ تو آدمی کی گفتگو، اور جو الفاظ اس کو مستحضر ہوں، اس پر منحصر ہے (مواہب)

پھر آگے مذکورہ کتاب میں ہی موصوف فرماتے ہیں کہ:

التعزية تجمع ثلاثة أشياء وذكر الثلاثة الأشياء المتقدمة عنه فى الكلام على التعزية فى أول القولة، ثم قال :والكافر يمنع فى حقه الشيء الأخير لقول الله عز وجل (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم) (مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل، ج۲، ص ۲۳۱، كتاب الجنائز)

ترجمہ: تعزیت میں تین چیزیں جمع ہوتی ہیں، جو پہلے ابنِ رشد کے حوالہ سے تعزیت کے بیان کے شروع میں ذکر کی گئیں، پھر ابنِ رشد نے فرمایا کہ کافر کے حق میں آخری چیز (یعنی استغفار) سے منع کیا جائے گا، اللہ عزوجل کے اس فرمان کی وجہ سے کہ:

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ" (مواهب)

اور عبدالمحسن بن حمد البدر "سنن ابی داؤد" کی شرح میں فرماتے ہیں:

ومعنى ذلك :تعزية المصاب بالميت، وذلك بأن يدعى له وللميت، فيدعى للميت بالمغفرة، ويدعى له بعظم الأجر، وبحصول الصبر والاحتساب، فيذكر له الشيء الذى يخفف عنه الحزن والمصيبة التى حلت به، ومن أحسن ما يذكر به أن يقال له الدعاء المعروف :(إن لله ما أخذ، وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى) فهذا أحسن ما يقال فى تسلية المصاب.ولا يكون الدعاء للحى فقط، ويغفل عن الميت، وإنما يجمع بين هذا وهذا، فيدعى للميت ويدعى للحى .ويطلب من الحى الصبر والاحتساب(شرح سنن أبى داود، ج٦، ص ٣٦٤، باب فى التعزية،شرح حديث ذهاب فاطمة رضى الله عنها إلى أحد البيوت للتعزية)

ترجمہ: اور تعزیت کے معنیٰ میت کی وجہ سے غم زدہ کو اس طرح تسلی دینا ہے کہ اس کے اور میت کے لئے دعاء کرے، پس میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرے، اور غم زدہ کے لئے اجرِ عظیم، اور حصولِ صبر وثواب کی دعاء کرے، پھر اس کے سامنے ایسی بات ذکر کرے کہ جس سے اس کے پیش آمدہ غم، اور مصیبت میں تخفیف ہوجائے، اور زیادہ

بہتر ہے کہ اس کے لئے دعاء میں یہ معروف الفاظ کہے جائیں کہ:

"اِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى"

پس غم زدہ کی تسلی کے لئے کہے جانے والے یہ الفاظ عمدہ ترین ہیں۔

اور دعاء صرف زندہ کے لئے ہی نہیں کی جائے گی کہ میت سے غفلت اختیار کی جائے، بلکہ ان دونوں کے مابین جمع کیا جائے گا، پس میت کے لئے بھی دعاء کی جائے گی، اور زندہ کے لئے بھی دعاء کی جائے گی، اور ساتھ ہی زندہ سے صبر اور ثواب کی امید کی طلب بھی کی جائے گی (شرح سنن ابی داود)

اور عبدالکریم بن محمد رافعی قزوینی امام غزالی کی "الوجیز" کی شرح میں فرماتے ہیں:

التعزية فان الغرض الاعظم منها الدعاء ومعنى التعزية الامر بالصبر والحمل عليه بوعد الاجر والتحذير عن الوزر بالجزع والدعاء للميت بالغفرة وللمصاب بجبر المصيبة (العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير، ج۲، ص۴۵۹، كتاب صلاة الجنائز)

ترجمہ: تعزیت کا مقصدِ اعظم دعاء ہے، اور تعزیت کے معنیٰ صبر وتحمل کی ترغیب دینا، اور اس پر اجر وثواب کے وعدہ پر ابھارنا، اور جزع وفزع کے وبال سے ڈرانا، اور میت کے لئے مغفرت کی اور غم زدہ کے لئے نعم البدل کے حصول کی دعاء کرنا ہے (شرح وجیز)

دیگر فقہی کتب میں بھی اسی طرح کی تفصیل موجود ومذکور ہے، جن میں تسلی اور میت وتعزیت کئے جانے والوں کے لئے دعاء کو شرعی تعزیت کے مفہوم میں شامل رکھا گیا ہے۔ [1]

پھر مصیبت وغم زدہ عام ہے، جس میں میت کے چھوٹے، بڑے ورثاء واقرباء، اور قریبی احباب

---

[1] التعزية لغة :مصدر عزى :إذا صبر المصاب وواساه ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن المعنى اللغوى وقال الشربينى :هى الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر، والتحذير من الوزر، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۸۷، مادة"تعزية")

(ولا تعيين فيما يقوله) المعزى قال الموفق لا أعلم فى التعزية شيئا محدودا، إلا أنه يروى أن النبى -صلى الله عليه وسلم -عزى رجلا، فقال :رحمك الله وآجرك رواه أحمد (ويختلف) ما يقوله المعزى (باختلاف المعزين فإن شاء) المعزى.(قال فى تعزية المسلم بالمسلم :أعظم الله أجرك وأحسن عزاء ك) أى :رزقك الصبر الحسن (وغفر لميتك، وفى تعزيته) أى :المسلم (بكافر :أعظم الله أجرك وأحسن عزاء ك) ويمسك عن الدعاء للميت، لأن الدعاء والاستغفار له منهى عنه(كشاف القناع عن متن الإقناع، ج۲، ص۱۶۱، كتاب الجنائز،فصل تعزية أهل المصيبة بالميت) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ورفقائے کار بھی شامل ہیں، جن کو بھی غم لاحق ہو، اورتعزیت خاص میت کے گھر جانے پر بھی موقوف ومنحصر نہیں، اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک میت کے گھر جاکر افضل کیوں نہ ہو۔ [1]

پس جس طرح صبر وتحمل کی تلقین کرنا اوراس پر آخرت کے اجروثواب کو یاددلانا ''تعزیت'' کا حصہ ہے، اسی طرح تعزیت کئے جانے والے کے لئے صبراوراجرثواب وغیرہ کی، اور مسلم میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعاء کرنا بھی تعزیت کا حصہ، بلکہ اس کا جزوِاعظم ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾(فرع :معنى التعزية :التسلية والحث) ، أى :حث المصاب (على الصبر بوعد الأجر والدعاء للميت) إن كان مسلما، (والمصاب) ، أى :والدعاء للمصاب(مطالب أولى النهى فى شرح غاية المنتهى، ج ا ،ص ٩٢٩، كتاب الجنائز)

معنى "التعزية "التسلية، والحث على الصبر بوعد الأجر، والدعاء للميت والمصاب(الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف، ج ٢، ص ٥٦٧، كتاب الجنائز)

فرع:معنى التعزية :الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر، والتحذير من الوزر بالجزع، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة، فيقول فى تعزية المسلم بالمسلم :أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك، وغفر لميتك .وفى تعزية المسلم بالكافر :أعظم الله أجرك، وأخلف عليك، أو ألهمك الصبر، أو جبر مصيبتك ونحوه .وفى تعزية الكافر بالمسلم :غفر الله لميتك، وأحسن عزائك .ويجوز للمسلم أن يعزى الذمى بقريبه الذمى، فيقول :أخلف الله عليك، ولا نقص عددك(روضة الطالبين وعمدة المفتين،للنووى، ج ٢،ص ١٤٤، كتاب الجنائز)

التعزية بالميت تجمع ثلاثة أشياء :أحدها تهوين المصيبة على المعزى وتسليته منها، وتحضيضه على التزام الصبر واحتساب الأجر والرضا بقدر الله والتسليم لأمره .والثانى الدعاء بأن يعوضه الله من مصابه بنيل الثواب ويحسن له العقبى والمآب .والثالث الدعاء للميت فيعزى المسلم بأبيه الكافر للحض على الرضا بقدر الله والدعاء له، إذ لا يمنع أن يؤجر المسلم بموت أبيه الكافر إذا سلم لأمر الله ورضى بقضائه(التاج والإكليل لمختصر خليل، ج٣،ص٣٨، كتاب الجنائز)

[1] قوله" :تستحب التعزية الخ "ويستحب أن يعم بها جميع أقارب الميت إلا أن تكون امرأة شابة(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٦١٨،باب احكام الجنائز)

والأولى فى التعزية أن تكون فى بيت المصاب(لوامع الدرر فى هتك أستار المختصر، ج٣،ص ١٢٠)

(تعزية المصاب بالميت ويلحق بها كل ما يحصل له عليه تأسف وجزع كتلف مال كما أفتى به الوالد رحمه الله تعالى والمراد جميع من أصيب به من أقاربه وغيرهم ولو صبيانا ونساء قبل الدفن وبعده سنة ولكن تأخيرها أفضل لاشتغال أهل الميت بتجهيزه إلا أن يرى من أهل الميت جزعا شديدا فيختار تقديمها ليصبرهم ومعناها لغة التسلية عمن يعز عليه ومعناها أصطلاحا الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الإجر والتحذير من الوزر بالجزع والدعاء للميت بالمغفرة وللمصاب بجبز المصيبة للاتباع ولا يعزى الشابة من الرحال إلا محارمها وزوجها ومن يباح نظره إليها كعبدها(غاية البيان،لشهاب الدين الرملى،ص ١٣٦)

مكان التعزية :تسن تعزية أهل الميت وأقاربه فى أى مكان :فى المصلى، والمسجد، والمقبرة، والبيت، والسوق(موسوعة الفقه الإسلامى، ج ٢، ص ٧٨٤، كتاب الجنائز)

تعزیت کے مذکورہ تمام اجزاء کا تعزیت سے متعلق احادیث میں مجموعی طور پر ذکر نہیں ملتا، بلکہ فقہائے کرام نے مختلف احادیث سے ان امور کو اخذ کیا ہے۔

اسی لئے فقہائے کرام نے تعزیت کے لئے بعض الفاظ کو مستحب قرار دینے کے باوجود دوسرے الفاظ کو بھی جائز قرار دیا ہے، جس طرح عام دعائے مغفرت میں بھی الفاظ متعین نہیں، کسی بھی زبان میں الفاظ کہے جاسکتے ہیں، جس علاقہ اور جس زمانہ میں جس طرح بھی مقصود حاصل ہو۔ [1]

امام نووی وغیرہ نے تعزیت کے موقع پر پہلے میت کے لئے، پھر تعزیت کئے جانے والے کے لئے

[1] وقد ورد فی التعزیة ألفاظ متعددة .قال بعضهم :وأحسن التعزیة ما جاء فی الحدیث آجرکم الله فی مصیبتکم وأعقبکم خیرا منها إنا لله وإنا إلیه راجعون وینبغی أن یعزی الرجل فی صدیقه؛ لأنه من المصائب، وکذلک یعزی الرجل فی زوجته الصالحة؛ لأنها من المصائب .وقد ذکر الفقهاء فی کتبهم ألفاظ التعزیة علی اختلافها، ومن یعزی، ومن یعزی فیه لیس هذا موضعها .وقد روی البخاری ومسلم عن أنس بن مالک أن النبی -صلی الله علیه وسلم -أتی علی امرأة تبکی علی صبی لها فقال لها :اتقی الله واصبر(المدخل لابن الحاج، ج۳،ص ۲۶۶ ،موضع التعزیة علی تمام الأدب إذا رجع ولی المیت إلی بیته)

ویستحب التعزیة فیقال أحسن الله عزاءک وألهمک الصبر وغفر الله لمیتک، أو غیر ذلک مما یحضره(إِرْشَادُ السَّالِک إِلَیَ أَشرَفِ المَسَالِکِ فِی فقهِ الإِمَامِ مَالِک، ج ۱ ،ص ۳۲،کتاب الجنائز)

فصل :ولا نعلم فی التعزیة شیئا محدودا، إلا أنه یروی أن النبی -صلی الله علیه وسلم -عزی رجلا، فقال : رحمک الله وآجرک . رواه الإمام أحمد .وعزی أحمد أبا طالب، فوقف علی باب المسجد فقال :أعظم الله أجرکم، وأحسن عزاء کم .وقال بعض أصحابنا :إذا عزی مسلما بمسلم قال :أعظم الله أجرک، وأحسن عزاک، ورحم الله میتک .واستحب بعض أهل العلم أن یقول ما روی جعفر بن محمد، عن أبیه، عن جده، قال :لما توفی رسول الله -صلی الله علیه وسلم -وجاء ت التعزیة، سمعوا قائلا یقول :إن فی الله عزاء من کل مصیبة، وخلفا من کل هالک، ودرکا من کل ما فات، فبالله فثقوا، وإیاه فارجوا، فإن المصاب من حرم الثواب رواه الشافعی ، فی "مسنده "وإن عزی مسلما بکافر، قال :أعظم الله أجرک، وأحسن عزاء ک(المغنی لابن قدامة، ج۲،ص ۴۰۵، کتاب الجنائز،فصل لا نعلم فی التعزیة شیئا محدودا)

ویقول فی تعزیة المسلم بالمسلم :عظم الله أجرک، وأحسن عزاء ک ورحم میتک .هکذا ذکره بعض أصحابنا، قال شیخنا ولا أعلم فی التعزیة شیئا محدودا إلا أنه یروی أن النبی صلی الله علیه وسلم عزی رجلا فقال "رحمک الله وآجرک "رواه الإمام أحمد، وعزی أحمد أبا طالب فوقف علی باب المسجد فقال : أعظم الله أجرکم وأحسن عزاء کم .واستحب بعض أهل العلم أن یقول ما روی جعفر بن محمد عن أبیه،عن جده قال لما توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وجاء ت التعزیة سمعوا قائلا یقول :ان فی الله عزاء من کل مصیبة، وخلفا من کل هالک، ودرکا من کل ما فات فبالله فثقوا، وإیاه فارجو فان المصاب من حرم الثواب.رواه الشافعی فی مسنده .وان عزی مسلما بکافر قال أعظم الله أجرک وأحسن عزاء ک (مسألة) ویقول فی تعزیة الکافر بالمسلم أحسن الله عزاک، وغفر لمیتک، وفی تعزیته عن کافر :أخلف الله علیک ولا نقص عددک(الشرح الکبیر علی متن المقنع، ج۲،ص ۴۲۸،کتاب الجنائز)

www.idaraghufran.org

دعاء کرنے، اور اس کے برعکس کرنے، اور اس میں اختیار حاصل ہونے کے تینوں اقوال ذکر کئے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں توسع موجود ہے، جس طرح بھی تعزیت کا مقصود حاصل ہو۔ [1]

شریعت کے احکام بے جا تکلفات اور پابندیوں سے پاک ہو کر آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ ہر ایک کو بآسانی مستفید ہونا ممکن ہو۔

اور موجودہ زمانہ کے بعض حضرات نے جو تعزیت کے معنیٰ محض تسلی کے کلمات کہنے تک محدود سمجھ کر، دعاء کو تعزیت سے الگ سمجھ لیا ہے، اور تعزیت میں دعاء کو بدعت قرار دے دیا ہے، تو وہ تعزیت کے محض لغوی معنیٰ کی وجہ سے غلط فہمی پر مبنی ہے، ورنہ تعزیت کی اصطلاحی و فقہی تعریف میں دعاء بھی شامل ہے، بلکہ یہ تعزیت کا جزوِ اعظم ہے، جس کی فقہائے کرام سے مختلف الفاظ و عبارات میں پے در پے تصریح ملتی ہے، نیز تعزیت کے موقع پر دعاء، تسلی کا باعث بنتی ہے، اس لئے اس موقع پر دعاء کو، تعزیت کے لغوی معنیٰ کے خلاف سمجھنا بھی درست نہیں۔ [2]

پھر بیشتر فقہائے کرام کے نزدیک تعزیت وفات کے تین دن بعد تک مناسب ہے، تین دن کے بعد مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو، جیسا کہ کوئی دور سے آیا ہو، یا بعد میں علم ہوا ہو، اس طرح کے افراد کے لئے تین دن کے بعد بھی بلا کراہت جائز ہے۔

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک بغیر عذر بھی تین دن کے بعد تعزیت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ [3]

---

[1] وحاصله الجمع بين الدعاء للميت والمعزى به والمشهور تقديم الدعاء للمعزى كما ذكره المصنف أعظم الله أجرك وأحسن عزاك وغفر لميتك وحكى السرخسى فيه ثلاثة أوجه (أحدها) هذا قال وهو قول أبى اسحق المروزى قال لأنه المخاطب فبدء به (والثانى) يقدم الدعاء للميت فيقول غفر الله لميتك وأعظم الله أجرك وأحسن عزاك لأن الميت أحوج الى الدعاء (والثالث) يتخير فيقدم من شاء (المجموع شرح المهذب، ج۵، ص۳۰۶، كتاب الجنائز)

[2] التعزية فى اللغة :مصدر عزى والثلاثى منه عزى أى :صبر على ما نابه، يقال :عزيته تعزية :قلت له: أحسن الله عزاء ك، أى رزقك الصبر الحسن، والعزاء اسم من ذلك، ويقال :تعزى هو :تصبر، وشعاره أن يقول :إنا لله وإنا إليه راجعون .قال الأزهرى :أصلها التعبير لمن أصيب بمن يعز عليه والتعزية اصطلاحا : الأمر بالصبر والحمل عليه بوعد الأجر والتحذير من الوزر بالجزع، والدعاء للميت بالمغفرة، وللمصاب بجبر المصيبة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۵، حرف الميم، مادة"ماتم")

[3] جمهور الفقهاء :على أن مدة التعزية ثلاثة أيام .واستدلوا لذلك بإذن الشارع فى الإحداد فى الثلاث فقط، بقوله صلى الله عليه وسلم :لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور تین دن تک اہلِ میت کا تعزیت کرنے کے لئے آنے والوں کے لئے منکرات سے بچتے ہوئے بے تکلف انداز میں بیٹھنا جائز ہے، البتہ گھر کے دروازہ پر، اور اسی طرح مسجد میں بیٹھنے جیسی چیزوں کے مکروہ ہونے، نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [۲]

لیکن فوتگی کے بعد تین دن تک کام کاج چھوڑ کر بیٹھنے کو ضروری سمجھنا، اور قریبی رشتہ داروں کو بھی اس کا پابند بنانا، یا اس جیسے دوسرت التزامات بے معنیٰ اور قابلِ ترک ہیں، ہر چیز کو اس کے مقام ودرجہ پر رکھنا ہی اصل دین ہے، افراط، یا تفریط سے، شریعت کا حکم عبادت کے زمرہ سے نکل کر گناہ کے زمرہ میں داخل ہوجاتا ہے، چہ جائیکہ جو عمل سرے سے عبادت بھی نہ ہو۔

آج کل بعض علاقوں میں فوتگی کے بعد اس کے گھر میں تعزیت کے لئے آنے والے لوگ جب تعزیت کئے جانے والے فرد کو صبر وتحمل، اور رضا بر قضاء کی تلقین کا کوئی جملہ کہتے ہیں، تو اس وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے، لیکن جب مسلم میت، اور اس کے ورثاء واولیاء کے لئے صبر واجر، اور رحمت مغفرت وغیرہ کی دعاء کرتے ہیں، تو ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثلاث، إلا على زوج :أربعة أشهر وعشرا وتكره بعدها؛ لأن المقصود منها سكون قلب المصاب، والغالب سكونه بعد الثلاثة، فلا يجدد له الحزن بالتعزية، إلا إذا كان أحدهما (المعزى أو المعزى) غائبا، فلم يحضر إلا بعد الثلاثة، فإنه يعزيه بعد الثلاثة .وحكى إمام الحرمين وجها وهو قول بعض الحنابلة :أنه لا أمد للتعزية، بل تبقى بعد ثلاثة أيام؛ لأن الغرض الدعاء ، والحمل على الصبر، والنهى عن الجزع، وذلك يحصل على طول الزمان(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۸۸، مادة"تعزية")

[۲] الجلوس للتعزية :ذهب جمهور المتقدمين من الحنفية إلى أنه يرخص الجلوس فى المصيبة ثلاثة أيام للرجال فى غير مسجد، أما فيه فيكره، ولا تجلس النساء قطعا.وفى الظهيرية :لا بأس به لأهل الميت فى البيت أو المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم.وقال المالكية يجوز أن يجلس الرجل للتعزية . لما روى عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها قالت :لما قتل زيد بن حارثة، وجعفر بن أبى طالب، وعبد الله بن رواحة رضى الله تعالى عنهم، جلس النبى صلى الله عليه وسلم يعرف فيه الحزن . وقال متأخرو فقهاء الحنفية : يكره له الجلوس فى بيته حتى يأتى إليه من يعزى، بل إذا فرغ، ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا، ويشتغل الناس بأمورهم، وصاحب البيت بأمره .وإلى الكراهة ذهب الشافعية والحنابلة فى المذهب، والكراهة عند الشافعية تنزيهية إن لم يكن معها محدث آخر .ونقل عن أحمد :الرخصة لأهل الميت.أما الجلوس على باب دار الميت :فصرح الحنفية بأنه مكروه؛ لأنه عمل أهل الجاهلية وقد نهى عنه. وصرح الحنابلة بجوازه حيث قالوا :لا بأس بالجلوس بقرب دار الميت ليتبع الجنازة، أو يخرج وليه فيعزيه، لأنه فعله السلف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۷۱، مادة"جلوس")

www.idaraghufran.org

دعائے تعزیت میں ہاتھ اٹھانے میں اختلاف

اس دعائے تعزیت میں ہاتھ اٹھانے کو بعض علماء جائز اور بعض مستحب قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا بدعت ہے۔

ہاتھ اٹھانے کو بدعت کہنے والے علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر ہاتھ اٹھانے کا سنت سے ثبوت نہیں ملتا، اس لئے یہ عمل بدعت ہوا۔

اور جائز کہنے والے حضرات کا فرمانا ہے کہ جب عام دعاء کے موقع پر اصولی اعتبار سے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس موقع پر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت نہیں ملتی، تو ہاتھ اٹھانا، ایک مباح وجائز فعل ہوا۔

اور مستحب کہنے والے حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث سے میت کے لئے دعائے مغفرت کے موقع پر ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، اگرچہ ہر موقع پر نہیں ملتا، جس طرح نماز کے بعد بھی اسی طرح کا ثبوت ملتا ہے، ہمیشہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا سنت میں بھی ثبوت نہیں پایا جاتا، اور نہ ہی اجتماعی طور پر امام ومقتدیوں کا ایک ساتھ دعاء شروع وختم کرنے کا ثبوت پایا جاتا۔

نیز نماز کے علاوہ ہاتھ اٹھانا، دعاء کے آداب میں سے ہے، اور جہاں دعاء ثابت ہو، تو وہاں ہاتھ اٹھانے کا مستحب، یا کم از کم جائز ہونا اس دعاء کے آداب میں سے ہو کر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے، جس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسا کہ بہت سے مواقع پر بالخصوص کسی بھی وقت مومن کی مغفرت کی دعاء کرنے، اور ایصالِ ثواب کرنے، اور کسی اجتماع ومجلس سے فراغت کے موقع پر، اور نکاح، یا کسی کام کے افتتاح وغیرہ کے موقع پر، اور اسی طرح دوسرے بے شمار مواقع پر عام طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا رائج ہے، اور ان مقامات پر ہاتھ اٹھانے کی کوئی مستقل دلیل نہیں ملتی، لیکن اس کو بدعت نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کو مستحب، یا کم از کم جائز سمجھا جاتا ہے۔

البتہ اگر کوئی میت کے اہلِ خانہ کو صرف تسلی وصبر کی تلقین وترغیب پر اکتفاء کرنا چاہے، تو اس کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ دعاء کے بجائے محض وعظ، یا تذکیر ہے۔

لیکن جب دعاء کرنا چاہتا ہے،تو اس کے لئے ہاتھ اٹھانے کو بدعتِ حقیقی قرار دینا راجح نہیں،اور جس نے اس کو بدعت کہا،وہ اولاً تو دلائل کی رو سے راجح معلوم نہ ہوسکا،دوسرے بدعت مراد لینے کی صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ،بدعتِ اجتہادی واختلافی مراد لیا جانا راجح ہے۔

جلیلُ القدر مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام سے بھی اس دعاء کے موقع پر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت کی تصریح نہیں ملتی، بلکہ بعض روایات کے پیشِ نظر، نیز عام دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کے قاعدہ وکلیہ میں داخل ہوکر اس کے مستحب ہونے کی بہت زیادہ گنجائش موجود ہے۔

بدعتِ اجتہادیہ واختلافیہ کا حکم

اوراس طرح کے فروعی وفقہی مسائل میں فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام،اوران کے متبعین کے مابین رونما ہونے والے اختلافات،اوران پر مرتب شدہ احکامات کا درجہ اجتہادی ہی رہتا ہے،کسی کی طرف سے ''بدعت'' وغیرہ کا عنوان ونام دینے سے ان کی مذکورہ اجتہادی حیثیت تبدیل نہیں ہوجاتی،اور اس نوعیت کے اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف سمجھ کر اس عمل کی وجہ سے کسی پر ''بدعتی'' یا ''فاسق وفاجر'' وغیرہ ہونے کا حکم لگانا،اورعوام الناس کی طرف سے ان میں سے کسی قول کے مطابق کئے جانے والے عمل پر نکیر کرنا درست نہیں ہوجاتا۔

امام شیخ عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفی (المتوفی:1143ھ) نے اپنی تالیف ''الحديقةُ الندية، شرح الطريقة المحمدية '' میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جن مسائل میں فقہائے کرام کا اختلاف ہو، وہ حقیقی بدعت شمار نہیں ہوتے،اوران پر سختی ونکیر کرنا اورعوام الناس کی طرف سے فقہائے کرام میں سے کسی کے قول پر عمل ہونے کی صورت میں اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ عوام کا کوئی عمل، اتفاق سے فقہاء میں سے کسی کے قول کے مطابق، درست و جائز واقع ہوجائے،تو اس کی بھی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

چنانچہ شیخ موصوف، مذکورہ کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وبعض صور العبادات الواردة فی الشرع بان یزاد فی صورتها او ینقص منها مع اعتقاد ان تلک الزیادة والنقصان طاعة بمجرد الرأی ، لتخرج من البدع هذه الزیادة والنقصان الواقعة فی العبادات علی حسب اختلاف المذاهب الاربعة

اليوم كتثنية الاقامة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، بالنظر الى مذهب الامام شافعى رحمه الله تعالىٰ وافرادها عند الشافعى رحمه الله تعالىٰ بالنظر الى مذهب ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ، وصلاة الكسوف بركوعين وسجودين وفاتحتين فى كل ركعة عند الشافعى ، لا عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ، فان هذا او ما اشبهه ليس ببدعة فى الدين، لانه ماخوذ من الادلة الشرعية ، لا من مجرد الرأى(الحديقة الندية، شرح الطريقة المحمدية، ج ١ ،ص،٩٧ ،الفصل الثانى من الفصول الثلاثة من الباب الاول فى بيان اقسام البدع، مطبوعة: المكتبة الحقيقية ، استانبول، تركيا، 1994م)

ترجمہ: اور بدعت یہ بھی ہے کہ عبادت کی بعض صورتیں، جو شریعت میں وارد ہیں، ان کی صورتوں میں زیادتی کی جائے، یا ان میں کمی کی جائے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ زیادتی اور نقصان ، طاعت ہے، محض رائے کی بنیاد پر (نہ کہ دلائلِ فقہیہ کی بنیاد پر) تاکہ بدعت کے مفہوم سے وہ زیادتی اور نقصان خارج ہوجائے، جو عبادات میں آج کے زمانے میں مذاہبِ اربعہ کے اختلاف کی بنیاد پر واقع ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اقامت کے کلمات کا دو دفعہ ہونا، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مقابلے میں، اور اقامت کے کلمات کا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکہرے ہونا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مقابلے میں، اور سورج گرہن کی نماز میں امام شافعی کے نزدیک، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدوں، اور دو مرتبہ سورہ فاتحہ کا ہونا، نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، یہ اور ان جیسی چیزیں ، دین میں بدعت شمار نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ دلائلِ شرعیہ سے ماخوذ ہیں، محض رائے (وھویٰ پرستی) سے ماخوذ نہیں (الحديقة الندية)

امام شیخ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ، مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

فلا ينبغى للواعظ، أو المدرس، ان ينهى العوام عما أفتى بجوازه بعض أئمة الإسلام، ولو كان فى مذهب الغير، خصوصا، والعوام لا مذهب لهم، والتقليد للمذاهب الأربعة جائز لكل أحد ،كما بسطناه فى رسالتنا"خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق"(الحديقة الندية، شرح الطريقة المحمدية، ج٢، ص،

۹۸، الخلق الثامن والأربعون، من الأخلاق الستين المذمومة"الفتنة" مطبوعة: المكتبة الحقيقية ، استانبول، تركيا، 1994م)

ترجمہ: پس واعظ، یا مدرس کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ عوام کو ایسی چیز سے منع کرے کہ جس کے جواز کا بعض ائمۂ اسلام نے فتویٰ دیا ہے، اگرچہ وہ مذہبِ غیر میں ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر عوام کو، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور مذاہبِ اربعہ کی تقلید، ہر ایک کے لیے جائز ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے''خلاصةُ التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق''میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے (الحديقة الندية)

اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اپنے محقق رسالہ''احكام الايتلاف في احكام الاختلاف''میں فرماتے ہیں:

''بدعت سے مراد وہ بدعت ہے، جو باتفاقِ اہلِ حق بدعت ہو، اور جس میں اہلِ حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو، وہ مثلِ مسائل مختلف فیہا کے ہے، جن کا حکم فصلِ سوم میں مذکور ہوا ہے''(بوادر النوادر، ص ۶۷۶، رسالہ''احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف''، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان۔ سنِ اشاعت: ۱۹۸۵ء)

اور موصوف فصلِ سوم میں مسائلِ مختلف فیہا کے متعلق فرماتے ہیں:

''ابوابِ فقہیہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں، اور اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ باتفاق واجماعِ علماءِ امت، محمود ومقبول ہے۔

اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے، تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت رکھنا، اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا، جیسا کہ آج کل غلاۃ (یعنی غالی لوگوں) میں تحریراً وتقریراً معمول ہے، سخت بدعت ومعصیت وتعصب ومخالفتِ سلف ہے''(بوادر النوادر، ص ۶۷۳ و ۶۷۴، رسالہ''احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف''، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان۔ سنِ اشاعت: ۱۹۸۵ء)

اور اس طرح کے اختلاف کی کئی مثالیں مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کی عبارات میں ملتی ہیں کہ ایک عمل کو بعض بدعت اور بعض مباح، بلکہ مستحب تک بھی کہتے ہیں، اور فقہی دلائل دونوں طرف

ہوتے ہیں،جس طرح ان مسائل میں بدعت سے ''بدعتِ حقیقی'' مراد ہونے کے بجائے ''بدعتِ اجتہادی'' مراد ہونا متعین ہوتا ہے،اسی طرح یہاں بھی جس نے بدعت کہا،اس سے ''بدعتِ اجتہادی واختلافی'' کے بجائے ''بدعتِ حقیقی'' مراد لینا راجح نہیں ہوگا۔

ورنہ تو بے شمار ایسے مقامات جہاں بلا اختلاف وبلانکیر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاتی ہے،اوران مقامات پر خصوصیت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا ثبوت نہیں ملتا،ان کا بھی ''بدعتِ حقیقی'' ہونا لازم آئے گا،جس سے علماء وصلحاء بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔

پس دعائے تعزیت ومغفرت کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی حیثیت ایسی ہی ہے،جیسا کہ دوسرے کئی مواقع پر،اور بطور خاص فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی ہے۔

چنانچہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کو بعض علماء مستحب،بعض جائز اور بعض بدعت کہتے ہیں،اور مستحب،مباح اور بدعت کا یہ اختلاف بھی اجتہادی ہے۔

اوراس طرح کے مسائل میں اہلِ علم حضرات کو اپنی تحقیق کی روشنی میں مذکورہ اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دینے کا استحقاق حاصل ہے،جس میں کسی کو دوسرے پر بے جا نکیر کرنا درست نہیں، کیونکہ اس طرح کے اجتہادی واختلافی مسائل میں نکیر وانکار مناسب طرزِ عمل نہیں کہلاتا،بطور خاص عوام میں جو عمل کسی خاص فقہی مذہب کے مطابق رائج ہو،تو اس کے برخلاف عوام پر سختی وتشدد مناسب نہیں،اوراس کی وجہ سے باہم تفرق وتعصب کی تو کسی جہت سے گنجائش ہی نہیں،جیسا کہ اوپر گزرا۔

اوراس مسئلہ میں دلائل کے پیشِ نظر ہمارا ذاتی رجحان اس طرف ہے کہ مذکورہ موقع پر ہاتھ اٹھانا فی نفسہٖ جائز ہے،اور مستحب قرار دینے کے دلائل بھی کمزور نہیں ہیں،اور اس کو بدعت کہنا اجتہادی نوعیت کی بدعت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

تاہم کسی عمل کے جائز، بلکہ مستحب ہونے کی صورت میں بھی اس عمل کی خلاف ورزی گناہ نہیں کہلاتی،اس لئے جس طرح اس موقع پر ہاتھ اٹھانے والے پر نکیر نہیں کی جائے گی،اسی طرح ہاتھ نہ اٹھانے والے پر بھی نکیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس میں دونوں طرف توسع موجود ہے۔ (جاری ہے.....)

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط:12)

نیز عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی (المتوفی:1143ھ) اپنے رسالہ ''خلاصةُ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق'' میں فرماتے ہیں:

الواجب على المقلد المطلق اتباع مجتهد فى جميع المسائل، فلا يجوز له العمل فى واقعة إلا بتقليد مجتهد، أى مجتهد كان .

وأما إذا كان مجتهداً فى البعض فقد اختلف فيه، فقيل :

يقلد فى الكل كالمطلق بناء على عدم التجزى فى الاجتهاد، وقيل:يقلد فيما يعجز فيه عن الاجتهاد ويجتهد فيما لا يعجز بناءً على التجزى فى الاجتهاد وهو الراجح عند الأكثر.

والمقلد إذا اتبع أحد المجتهدين وأخذ بقوله، وعمل بموجبه، يجوز له أن يقلد غير ذلك المجتهد فى حكم آخر يعمل به، كمن قلد أبا حنيفة -رحمه الله تعالى -أولاً فى مسألة، وثانياً الشافعى -رحمه الله تعالى -فى أخرى، كذا صرح ابن الهمام فى كتابه "التحرير" فى علم الأصول؛ وبه قال الآمدى وابن الحاجب .قال ابن الهمام :وذلك للقطع بأنهم فى كل عصر كانوا يستفتون مرةً واحداً، ومرةً غيره، غير ملتزمين مفتياً معيناً.....

واعلم أن مذهب الجمهور، والذى اختاره ابن الهمام، أن أصل الالتزام ليس بواجب ابتداءً، بل يجوز لكل أحدٍ أن يستفتى فى كل واقعة عند أىّ مفت اختاره، ويعمل بحكمه كما كان فى القرون الفاضلة من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم أجمعين.

ونقل صاحب "العقد الفريد" عن الإمام النووى ما يعضد هذا المذهب حيث قال :والذى يقتضيه الدليل أنه لا يلزم التمذهب بمذهب معين، بل يستفتى من

شاء ه من اتفق، لكن من غير تلقط الرخص، فلعل من منعه شاء لم يثق بعدم تلقطه. انتهى كلام النووى .

وقال ابن الهمام فى كتابه"التحرير":فلو التزم المقلد مذهباً معيناً كأبى حنيفة والشافعى، فقيل :يلزمه انتهى .يعنى الاستمرار عليه فلا يعدل عنه فى مسألة من المسائل من مذهب آخر، لأنه بالتزامه يصير ملزوماً به كما التزم مذهبه فى حادثة معينة ولأنه اعتقد أن المذهب الذى انتسب إليه هو الصواب فعليه الوفاء بموجب اعتقاده، كذا فى "شرح التحرير" لابن أمير حاج.

وقيل :لا يلزمه وهو الأصح لما وجهه الرافعى وغيره، بأن التزامه غير ملزم إذ لا واجب إلا ما أوجبه الله ورسوله، ولم يوجب الله تعالى ورسوله على أحد من الناس أن يتمذهب لرجل ﴿رجل﴾من الأمة فيقلد دينه فى كل ما يأتى ويذر غيره، ولا قائل ﴿قال﴾به أحد من المجتهدين، أن من تبعنى فلا يتبع أحداً غيرى (خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق،لعبد الغنى النابلسى ،أما المقصد الأول: فهل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟)

ترجمہ:مقلدِ مطلق پر(یعنی جو مقلدِ محض ہو)تمام مسائل میں کسی بھی مجتہد کی اتباع واجب ہے،لہٰذا اس کو کسی واقعہ میں مجتہد کی تقلید کیے بغیر عمل کرنا جائز نہیں، وہ مجتہد کوئی بھی ہو(جس کی تقلید کی جارہی ہو،خواہ امام شافعی، یا امام ابوحنیفہ وغیرہ)

اور جب کوئی شخص بعض مسائل میں مجتہد ہو(تمام مسائل میں مجتہد نہ ہو) تو اس کے متعلق اختلاف ہے،ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام مسائل میں تقلید کرے گا، جو اس بات پر مبنی ہے کہ اجتہاد میں تجزی جائز نہیں،اور ایک قول یہ ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد سے عاجز ہوگا،ان میں تقلید کرے گا،اور جن مسائل میں اجتہاد سے عاجز نہیں ہوگا،ان میں اجتہاد کرے گا، یہ اس قول پر مبنی ہے کہ اجتہاد میں تجزی جائز ہے، اکثر حضرات کے نزدیک یہی راجح ہے(اور اس سلسلہ میں دوسرے اقوال راجح نہیں ہیں)

اور مقلد جب مجتہدین میں سے کسی ایک کی اتباع کرلے،اور اس کے قول کو لے لے، اور اس کے حکم پر عمل کرلے،تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس مجتہد کے علاوہ کی کسی دوسرے حکم

میں تقلید کر کے عمل کرے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلے کسی مسئلہ میں تقلید کی، اور پھر اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسرے مسئلہ میں تقلید کی، اسی طرح سے علامہ ابنِ ہمام نے علمِ اصول سے متعلق اپنی کتاب ''التحریر'' میں تصریح کی ہے، اور یہی قول آمدی اور ابنِ حاجب کا ہے، علامہ ابنِ ہمام نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ ایک مرتبہ کسی سے اور دوسری مرتبہ کسی اور سے فتویٰ طلب کیا کرتے تھے، ایک متعین مفتی کا التزام نہیں کیا کرتے تھے (ان مفتیان میں ایسے مجتہد، یا ان کے مقلد بھی ہوا کرتے تھے، جن کا اجتہادی مسائل میں باہم اختلاف ہوا کرتا تھا).....

اور یہ بات جان لیجیے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے، جس کو علامہ ابنِ ہمام نے بھی اختیار کیا ہے کہ ابتدائی طور پر کسی مذہب کا اصل التزام واجب نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ ہر واقعہ میں جس مفتی سے چاہے، فتویٰ طلب کرے، اور اس کے مطابق عمل کرے، جیسا کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک زمانوں میں اسی طرح عمل ہوا کرتا تھا۔

اور صاحبِ '' العقدُ الفرید '' نے امام نووی سے جمہور کے اسی مذہب کی تائید میں بات نقل کی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ جس بات کا دلیل تقاضا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی مذہبِ معین کی پابندی لازم نہیں، بلکہ وہ جس سے چاہے اور جس سے اتفاق ہو، فتویٰ طلب کر سکتا ہے، لیکن رخصتوں کو چن کر نہ اٹھائے، تو غالباً جس نے منع کیا ہے، اس نے رخصتوں کو چن کر اٹھانے پر اعتماد نہیں کیا، امام نووی کا کلام ختم ہوا۔

اور ابنِ ہمام نے اپنی کتاب ''التحریر'' میں فرمایا کہ اگر کسی متعین مذہب کی تقلید کر لی، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی، تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر لازم ہو جائے گا، ابنِ ہمام کی بات ختم ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر برقرار رہنا لازم ہو جائے گا، اور اس کو کسی مسئلہ میں دوسرے مذہب کی طرف متوجہ ہونا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس

کے التزام کرنے سے وہ لازم ہوجائے گا، جیسا کہ کسی مخصوص واقعہ میں کسی مذہب کا التزام کرلے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ اعتقاد کرلیا ہے کہ وہ جس مذہب کی طرف منسوب ہے، وہ مذہب صواب ہے، لہٰذا اس کے عقیدہ کے مطابق اس کو پورا کرنا واجب ہوجائے گا، ابنِ امیر حاج کی ''شرحُ التحریر'' میں اسی طرح سے ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا، یہی زیادہ صحیح قول ہے، جس کی رافعی وغیرہ نے یہی توجیہ کی ہے کہ اس کا التزام کرنا، اس پر لازم کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ واجب تو وہی ہوا کرتا ہے، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب کیا ہو، اور نہ تو اللہ تعالیٰ نے اور نہ اس کے رسول نے لوگوں میں سے کسی پر امت کے کسی آدمی کے مذہب کو اختیار کرنا واجب نہیں کیا کہ وہ اپنے دین میں اس کی ہر بات کی تقلید کیا کرے، اور اس کے علاوہ کو ترک کردے، اور نہ ہی مجتہدین میں سے کوئی اس کا قائل ہے کہ جو میری اتباع کرے گا، تو اسے میرے علاوہ کسی اور کی اتباع کرنا جائز نہیں ہوگا (خلاصۃُ التحقیق)

اس تالیف میں عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی، تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

والحاصل :أن العلماء اختلفوا فی لزوم مذهب معين، وصحح كل أحد منهم ما ذهب إليه، وعدم اللزم وهو الراجح كما ذكرنا بعد أن لا يخرج عن المذاهب الأربعة، والله ولی التوفيق (خلاصةالتحقيق فی بيان حكم التقليد، لعبدالغنی النابلسی، ص ۹ ،أما المقصد الأول: فهل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ علماء کا مذہبِ معین کے لزوم میں اختلاف ہے، اور ہر ایک نے اپنے اختیار کردہ قول کی تصحیح کی ہے، لیکن مذہبِ معین کا لازم نہ ہونا راجح ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بعد اس کے کہ مذاہبِ اربعہ سے خروج نہ کرے، **واللّٰہ ولی التوفیق** (خلاصۃُ التحقیق)

اس طرح کی اور بھی بہت سی عبارات ہیں، جو مذکورہ مدعیٰ کو ثابت کرتی ہیں، جن کی تفصیل ہماری

اس موضوع پر مطبوعہ دوسری تالیف میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مجتہد ہو، خواہ ایک مسئلہ میں، یا زیادہ مسائل میں، جیسا کہ آگے آتا ہے، تو اس کا اصل مذہب اس کا اجتہاد ہوتا ہے، اور غیر مجتہد کا کوئی مذہب متعین نہیں ہوتا (جیسا کہ یہ قول علامہ شامی نے بھی ذکر کیا ہے، جن کی عبارت فاضل موصوف، مجتہدین کے ختم ہونے پر استدلال میں فرمارہے تھے) اس کے لئے تمام معتبر مجتہدین کے مذاہب برابر ہوتے ہیں، اس لئے اس کو کسی بھی مذہب پر عمل کرنا، یا عمل کرنے والے کے لئے کسی بھی مذہب کو نقل کر کے پیش کرنا، بلکہ ایک سے زیادہ مذاہب کو نقل کرنا بھی جائز ہوتا ہے، جس کے بعد غیر مجتہد کو ان میں سے کسی بھی مذہب پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے، خواہ وہ آسان، مذہب ہو، یا مشکل، اور غیر مجتہد کو عمل، یا فتوے کے لئے کسی مذہب کے مسئلہ کو ترجیح دینا بھی ضروری نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ ترجیح کی اہلیت رکھے، تو ترجیح دینا بھی جائز ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرنے کی جرئت وہمت کرے کہ مذکورہ عبارات میں بیان کیا گیا موقف اگرچہ حنفیہ کے تو موافق ہے، لیکن بہت سے اکابر ومشائخِ دیوبند کے برخلاف ہے، اس لئے قابلِ قبول نہیں؟

تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ پھر تمہارے دعوے کے مطابق مذکورہ اکابر ومشائخِ دیوبند کا یہ موقف بھی ان کے اکابر ومشائخِ حنفیہ، اور بالخصوص دیوبند کے منتسبِ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں۔

اور اگر کوئی پھر بھی اعلیٰ، اور مجتہدینِ حنفیہ کو چھوڑ کر، ادنیٰ وغیر مجتہدینِ حنفیہ کے موقف کو ترجیح دے، تو اس کی مرضی ہے، لیکن اس کو جائز نہ ہوگا کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق ادنیٰ وغیر مجتہدینِ حنفیہ کے موقف کو چھوڑ کر اعلیٰ ومجتہدینِ حنفیہ کے ترجیح دیے گئے موقف کو اختیار کرنے پر اس کو حنفیت سے خارج قرار دینے کی جرائت کرے، کیونکہ ایک تو وہ اس پر دلائل کی رو سے کوئی راستہ نہ پاسکے گا، دوسرے اس کو پہلے اپنے مذکورہ اکابر ومشائخ کو، اور پھر اپنے آپ کو حنفیت، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سلسلہ سے خارج قرار دینا ضروری ہوگا، پھر اس کے بعد دوسرے کے خارج کرنے کا عمل شروع کرنا پڑے گا ''ودونہ خرط القتاد''۔

اور مذکورہ گفتگو مقلدین کے حوالہ سے تھی، جہاں تک مجتہدین کے انقطاع واستمرار کا تعلق ہے، تو اس سے متعلق گفتگو آگے آتی ہے۔

جبکہ ہم نے اجتہاد وتقلید سے متعلق مزید تفصیلی بحث اپنی مفصل ومدلل تالیف ''شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار'' اور دوسری تالیف ''عمل بالحدیث'' میں بیان کردی ہے۔

اب فاضل موصوف کی ذمہ داری ہے کہ انہوں نے اپنی عبارت میں جو دعویٰ امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف، اور حنفیہ کے اصحابِ اجتہاد وترجیح کے برخلاف تحریر کیا ہے، اس کا مذکورہ پایہ کے حضرات سے ثبوت پیش فرمائیں، اور ہمارے سامنے چند متاخرین کے تسامحات، یا ان حضرات کے اقوال کو پیش کرنے سے اجتناب فرمائیں، جو مذکورہ پیش کردہ حضرات کے مقابلہ اور پایہ کے شمار نہیں ہوتے، بلکہ فاضل موصوف کے اپنے دعوے کے مطابق وہ مجتہدین کے منقطع ہونے اور مقلدینِ محض کے باقی رہ جانے کے دور کے بعد کی شخصیات ہیں، جس کی رو سے نہ ان کے اجتہاد کی کوئی حیثیت ہے، اور نہ ان کے اجماع کی کوئی حیثیت ہے، بلکہ ان کا دائرہ کار صرف اتنا ہے کہ وہ سابق ائمہ مجتہدین کے اقوال نقل کردیں، اور حتمی جواب دینے کے بجائے یوں لکھیں کہ ''امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق جواب اس طرح ہے'' اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں، جیسا کہ ظاہر ہے، تو پھر ہم سے ایسے مطالبات کی تکمیل کی خواہش کو ترک کردینا چاہیے، جس کے ہم سرے سے قائل ہی نہیں۔ (جاری ہے.....)

روح کی بیماریاں، ان کے اسباب اور علاج

مؤلف

محمد حسین صدیقی

استاذ الحدیث: جامعہ بنوریہ، سائٹ کراچی، شیخ الحدیث جامعہ تحفیظ القرآن، گول مارکیٹ

ناشر: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

0333-2748092-0309-8204773

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ

مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت الیاس علیہ السلام (قسط1)

حضرت الیاس کا ابتدائی تعارف

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون علیہ السلام کے بعد قرآن مجید میں ان کے ابتدائی جانشینوں کے نام مذکور نہیں، حضرت یوشع علیہ السلام کا دوجگہ ذکر آیا، مگر ایک جگہ ''فتیٰ''، یعنی صاحب موسیٰ کہہ کر تذکرہ کیا، اور دوسری جگہ یعنی سورہ مائدہ میں حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا کو ''رجلان'' (دو اشخاص) کہہ کر تذکرہ کیا ہے، اور حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر جمہور کی روایت کے مطابق صرف ایک واقعہ کے ضمن ہی میں آتا ہے، ورنہ اس آیت میں کسی صفت کے ساتھ بھی ان کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

سب سے پہلے جس نبی اور پیغمبر کا ذکر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں، یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ''ایلیاہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ [1]

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیائے کرام میں سے ہیں، جن کا ذکر قرآنِ مجید، احادیثِ نبویہ اور کتبِ تفسیر وتاریخ میں آیا ہے۔ آپ کی بعثت ایک ایسے دور میں ہوئی جب بنی اسرائیل شرک، خصوصاً بت پرستی (بعل کی عبادت) میں مبتلا ہو چکے تھے۔ [2]

---

[1] لما مات موسى خلفه يوشع ليقيم فيهم أمر الله تعالى ويحكم بالتوراة ثم خلفه كالب كذلك ثم حزقيل كذلك ثم إلياس كذلك ثم اليسع كذلك(روح المعانی، ج ۱ ص ۵۵۶، سورة البقرة)

لما مات موسى خلف فى بنى إسرائيل يوشع فمات فخلف فيهم كالب فمات فخلف حزقيل فلما مات وعظمت فى بنى إسرائيل الأحداث ونسوا عهد الله حتى عبدوا الأوثان بعث الله تعالى الياس بتجديد ما نسوا من التورية ثم خلفه اليسع فمات وخلفت فيهم خلوف وعظمت الخطايا وظهر عليهم عدوهم العمالقة قوم جالوت(التفسير المظهرى، ج ۱ ص ۳۴۶، سورة البقرة)

[2] لما مات موسى عليه السلام خلف من بعده فى بنى إسرائيل يوشع بن نون يقيم فيهم أمر الله تعالى .ويحكم بالتوراة حتى قبضه الله تعالى .ثم خلف من بعده كالب بن يوقنا كذلك، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت الیاس نے نہایت صبر، حکمت اور استقامت کے ساتھ توحید کی دعوت دی اور باطل عقائد کا رد کیا۔ [1]

قرآن مجید میں آپ کا نام "الیاس" بتایا گیا ہے، اور "انجیل یوحنا" میں ان کو "ایلیاہ" نبی کہا گیا ہے۔

بعض آثار میں ہے کہ الیاس اور ادریس ایک نبی کے دو نام ہیں۔

مگر یہ صحیح نہیں اول تو ان آثار کے متعلق محدثین کو کلام ہے، اور وہ ان کو نا قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ [2]

دوسرے قرآن مجید کا اندازِ بیان بھی ان آثار کی تردید کرتا ہے، اس لیے کہ اس نے سورہ انعام اور سورہ صافات میں حضرت الیاس کے جو اوصاف وحالات قلم بند کئے ہیں، ان میں کسی ایک جگہ بھی یہ ارشاد نہیں ملتا کہ ان کو ادریس بھی کہتے ہیں، اور سورہ انبیاء میں ادریس علیہ السلام کا جس آیت میں تذکرہ ہے، اس میں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا کہ جس سے ان دونوں پیغمبروں کے اوصاف وحالات کی مشابہت پر بھی استدلال کیا جا سکے، چہ جائیکہ ان حالات کو صرف ایک ہی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ ثم حزقيل كذلك، حتى قبضه الله تعالى فعظمت الأحداث بعده في بني إسرائيل ونسوا عهد الله حتى عبدوا الأصنام فبعث الله إليهم إلياس نبيا فدعاهم إلى الله تعالى، وكانت الأنبياء من بني إسرائيل من بعد موسى يبعثون إليهم ليجددوا ما نسوا من التوراة ويأمروهم بالعمل بأحكامها .ثم خلف من بعد إلياس اليسع فكان فيهم ما شاء الله تعالى ثم قبضه الله تعالى(تفسير الخازن، ج ا ص ۱۷۹، سورة البقرة)

[1] هو نبي من أنبياء بني إسرائيل قال ابن عباس هو ابن عم اليسع وقال محمد بن إسحاق هو الياس بن بشر بن فنحاص بن عيزار بن هارون بن عمران عليه السلام وقال ايضا محمد بن إسحاق والعلماء من اصحاب الاخبار لما قبض الله عز وجل قبله نبيا عظمت الأحداث في بني إسرائيل وظهر الشرك ونصبوا الأوثان وعبدوها من دون الله فبعث الله إليهم الياس نبيا وكانت الأنبياء من بني إسرائيل يبعثون بعد موسى بتجديد ما نسوا من التوراة(التفسير المظهري، ج۸ص ۱۳۴، سورة الصافات)

[2] وقد زعم بعضهم أن إدريس لم يكن قبل نوح بل في زمان بني إسرائيل .قال البخاري: ويذكر عن ابن مسعود، وابن عباس: أن إلياس هو إدريس، واستأنسوا في ذلك بما جاء في حديث الزهري، عن أنس في الإسراء أنه لما مر به عليه السلام قال له: مرحبا بالأخ الصالح، والنبي الصالح .ولم يقل كما قال آدم وإبراهيم: مرحبا بالنبي الصالح، والابن الصالح .قالوا: فلو كان في عمود نسبه لقال له كما قالا له .وهذا لا يدل ولا بد على ذلك لأنه قد لا يكون الراوي حفظه جيدا أو لعله قاله له على سبيل الهضم والتواضع، ولم ينتصب له في مقام الأبوة، كما انتصب لآدم أبي البشر، وإبراهيم الذي هو خليل الرحمن، وهو أكبر أولي العزم بعد محمد صلوات الله عليهم أجمعين(البداية والنهاية ، ج ا ص ۲۳۶، كتاب المبتدأ وقصص الانبياء، ذكر ادريس عليه السلام)

ونقل عنه من طريق إسحاق عن عبيدة بن ربيعة، عن ابن مسعود، أنه قال: إلياس هو إدريس .وإليه ذهب الضحاك بن مزاحم، وحكاه قتادة، ومحمد بن إسحاق، والصحيح أنه غيره(البداية والنهاية، ج۲ ص ۲۷۸، كتاب المبتدأ وقصص الانبياء، قصة الياس عليه السلام)

www.idaraghufran.org

شخصیت سے متعلق سمجھ لیا جائے۔ [1]

علاوہ ازیں مورخین نے حضرت ادریس کا جونسب نامہ بیان کیا ہے، وہ اس نسب نامے سے قطعاً جدا ہے، جو حضرت الیاس سے متعلق ہے ا، وراس لحاظ سے دونوں کے درمیان صدیوں کا بُعد ہو جاتا ہے، پس اگر یہ دونوں نام ایک ہی پیغمبر کے ہوتے ،تو قرآن مجید ضرور اس جانب اشارہ کرتا، اور مورخین ضرور ہر دونسب ناموں کی وحدت کسی دلیل سے بیان کر سکتے۔

اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت ادریس، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے درمیانی دور کے پیغمبر ہیں ،اور حضرت الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ [2]

(جاری ہے............)

[1] وقرىء إدراس وهو لغة فى إدريس كإبراهام فى إبراهيم، وإذا فسر إلياس بإدريس على أن أحد اللفظين اسم والآخر لقب فإن كان المراد بهما من سمعت نسبه فلا بأس به وإن كان المراد بهما إدريس المشهور الذى رفعه الله تعالى مكانا عليا وهو على ما قيل أخنوخ بن يزد بن مهلاييل بن أنوش بن قينان بن شيث بن آدم وكان على ما ذكره المؤرخون قبل نوح، وفى المستدرک عن ابن عباس أن بينه وبين نوح ألف سنة، وعن وهب أنه جد نوح أشكل الأمر فى قوله تعالى ”وتلک حجتنا آتيناها إبراهيم على قومه نرفع درجات من نشاء إن ربک حكيم عليم ووهبنا له إسحاق ويعقوب كلا هدينا ونوحا هدينا من قبل ومن ذريته داود وسليمان وأيوب ويوسف وموسى وهارون وكذلک نجزى المحسنين وزكريا ويحيى وعيسى وإلياس كل من الصالحين وإسماعيل واليسع ويونس ولوطا وكلا فضلنا على العالمين“لأن ضمير ذريته إما أن يكون لإبراهيم لأن الكلام فيه وإما أن يكون لنوح لأنه أقرب ولأن يونس ولوطا ليسا من ذرية إبراهيم، وعلى التقديرين لا يتسنى نظم إلياس المراد به إدريس الذى هو قبل نوح على ما سمعت فى عداد الذرية، ويرد على القول بالاتحاد مطلقا أنه خلاف الظاهر فلا تغفل(تفسير روح المعانى،ج١٢ ص١٣٣ ، سورة الصافات)

[2] قال ابن مسعود: هو إدريس وله اسمان مثل يعقوب وإسرائيل وقال محمد بن إسحاق: هو الياس بن سنا بن فنحاص بن العيزار بن هارون بن عمران .وهذا هو الصحيح لأن أصحاب الأنساب يقولون: إن إدريس جد نوح لأن نوحا بن لامک بن متوشلخ بن أخنوخ وهو إدريس ولأن الله تعالى نسب الياس فى هذه الآية إلى نوح وجعله من ذريته كل من الصالحين يعنى أن كل من ذكرنا وسمينا من الصالحين وإسماعيل هو ابن إبراهيم وإنما أخر ذكره إلى هنا لأنه ذكر إسحاق وذكر أولاده من بعده على نسق واحد فلهذا السبب أخر ذكر إسماعيل إلى هنا واليسع هو ابن أخطوب بن العجوز ويونس هو ابن متى ولوطا هو ابن أخى إبراهيم: وكلا فضلنا على العالمين يعنى على عالمى زمانهم (تفسير الخازن، ج٢ص ١٣١ ، سورة الانعام)

المسألة الثانية: فى إلياس قولان: يروى عن ابن مسعود أنه قرأ وإن إدريس، وقال إن إلياس هو إدريس، وهذا قول عكرمة، وأما أكثر المفسرين فهم متفقون على أنه نبى من أنبياء بنى إسرائيل وهو إلياس بن ياسين من ولد هارون أخى موسى عليهم السلام(تفسير الرازى، ج٢٦ ص٣٥٣، سورة الصافات)

قوله عز وجل: وإن إلياس لمن المرسلين روى عن ابن مسعود أنه قال إلياس هو إدريس وكذلک هو فى مصحفه وقال أكثر المفسرين هو نبى من أنبياء بنى إسرائيل قال ابن عباس هو ابن عم اليسع وقال محمد بن إسحاق هو الياس بن بشر بن فنحاص بن العيزار بن هارون بن عمران(تفسير الخازن، ج٤ص ٢٥، سورة الصافات)

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

پھیپھڑوں کی افادیت وافعال

پھیپھڑے انسانی جسم کے نہایت اہم اور بنیادی اعضا میں سے ہیں، یہ سینے کے اندر دل کے دونوں جانب واقع ہیں اور سانس کے نظام کا مرکزی حصہ ہیں، انسانی زندگی کا دار و مدار بڑی حد تک پھیپھڑوں کے درست اور مسلسل عمل پر ہے، کیونکہ آکسیجن کے بغیر جسم کا کوئی بھی خلیہ زندہ نہیں رہ سکتا، اور جسم کے خلیوں کے لئے آکسیجن ضروری ہے، جو پھیپھڑوں کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

پھیپھڑوں کا سب سے اہم کام سانس کے ذریعے آکسیجن کو خون میں داخل کرنا اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جسم سے خارج کرنا ہے، یہ عمل حباباتِ ہوائیہ(Alveoli) میں ہوتا ہے، یعنی پھیپھڑوں کے آخر میں موجود چھوٹی چھوٹی ہوا سے بھری ہوئی تھیلیاں، یہاں سے ہی جسم کو آکسیجن فراہم ہوتی ہے۔

پھیپھڑے جسم کے درجۂ حرارت کو متوازن رکھنے میں بھی مدد دیتے ہیں اور خون کو صاف رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ پھیپھڑے آواز کی پیدائش میں بالواسطہ معاون ہوتے ہیں، کیونکہ بولنے کے لیے ہوا کا بہاؤ ضروری ہے۔

اسی طرح پھیپھڑے دل کو ٹھنڈک اور اعتدال بھی فراہم کرتے ہیں، اور حرارتِ غریزی کو متوازن رکھتے ہیں، جس سے پورے جسم کی قوت برقرار رہتی ہے، الغرض پھیپھڑے نہ صرف سانس لینے کا ذریعہ ہیں بلکہ جسم کی صفائی، حفاظت، آواز کی تشکیل اور حیات کی بقا میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، اگر پھیپھڑے صحیح کام نہ کریں تو زندگی کا تسلسل خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

پھیپھڑوں کی ساخت (Structure of Lungs)

پھیپھڑوں کی ساخت کو اگر سادہ اور منظّم انداز میں سمجھا جائے تو یہ ایک نرم، اسفنج (اسپنج) جیسی ہوا بھرنے اور خارج کرنے والی پیچیدہ مشین ہے جو سانس کے عمل کے لیے قدرت نے بنائی ہے۔

یہ تعداد میں دو ہوتے ہیں، ایک سینہ میں دائیں طرف، اور دوسرا بائیں طرف، دائیں پھیپھڑے کے تین حصے (لوب) ہوتے ہیں، اور بائیں پھیپھڑے کے دل کی جگہ کی وجہ سے دو حصے (لوب) ہوتے ہیں، صحت مند پھیپھڑوں کی رنگت ہلکی گلابی ہوتی ہے۔

پھیپھڑوں کے امراض

پھیپھڑوں کے امراض کا بنیادی سبب پھیپھڑوں کی قدرتی قوت اور توازن کا کمزور ہو جانا ہے، جبکہ جراثیم، دھواں اور آلودگی اس کمزوری پر حملہ کرنے والے ثانوی اسباب ہیں۔

اس بنیادی سبب کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، قوتِ مدافعت کی کمزوری، بار بار نزلہ، ناقص غذا، دائمی بیماری، ہوا کی نالیوں کا حساس یا کمزور ہونا، اور الرجی، دھواں و آلودگی بھی پھیپھڑوں کے امراض کا سبب بنتے ہیں۔

اسی طرح بلغم کا نظام خراب ہونا، اور بلغم کا زیادہ یا گاڑھا ہو کر صحیح طرح خارج نہ ہونا بھی پھیپھڑوں کے امراض میں سے ہے۔

پھیپھڑوں کا اصل مزاج معتدل سردی وتری ہے، چنانچہ سردی وتری کی زیادتی، یا بلغمی امراض، اور خشکی وگرمی کی زیادتی سے بھی خشک کھانسی وسوزش پیدا ہو جاتی ہے، اسی حالت کو عموماً سینہ کی سوزش (یعنی Chest Infection) کہتے ہیں، گویا کہ سینے کے امراض کا اصل ابتدائی سبب پھیپھڑوں کی قوت اور مزاج کی کمزوری ہے، اور سینے کا انفیکشن اس کمزوری کا پہلا عملی ظہور (First manifest disease) ہے، جو عموماً کھانسی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کھانسی خود سے کوئی مرض نہیں ہے، بلکہ ہوائی نالیوں اور پھیپھڑوں میں پیدا ہونے والی ایک اذیت کا نام ہے، آسانی کے لئے اطباء نے آلاتِ تنفس کی الگ الگ جگہوں کی سوزش اور ورم کی مناسبت سے کھانسی کی تفصیل بیان کی ہے، مگر علاج تقریباً سب کا یکساں ہے۔

کھانسی کی وجہ اور علاج

سینے کے انفیکشن میں بیماری کی پہلی علامت عموماً کھانسی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جو جسم کا دفاعی ردعمل ہے، ﴿بقیہ صفحہ ۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب و روز

☐.....13 رجب المرجب، بروز ہفتہ ادارہ غفران کی مجلسِ فقہی کی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں علمی وفقہی گفتگو ہوئی، اور زیرِ طبع کتب کے علاوہ علمی وتحقیقی رسائل کی جلد نمبر 28، اور جلد نمبر 29 کے لئے شائع ہونے والے رسائل پر مشاورت ہوئی۔

☐..... 22 رجب، بروز پیر، ادارہ کے شعبہ حفظ کے طلبہ کا وفاق المدارس العربیہ کے تحت حفظِ قرآن مجید کا سالانہ امتحان ہوا۔

☐..... 26 رجب، بروز جمعہ، مفتی صاحب مدیر، کا مع چند اراکینِ ادارہ کے قدیم متعلق جناب انوار صاحب مرحوم کی پوتی صاحبہ کے نکاح کی تقریب میں شرکت کے لئے جانا ہوا۔

☐.....تعمیرِ پاکستان سکول میں 29 / رجب کو (19 / جنوری 2026ء) بروز پیر کو سردیوں کی تعطیلات کے بعد دوبارہ تعلیمی سلسلہ کا بحمداللہ آغاز ہوا۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۵۷ ''پھیپھڑوں کی افادیت وافعال''﴾

چنانچہ جب جراثیم، سردی، بلغم، گرد وغبار، وغیرہ کی وجہ سے ہوا کی نالیاں سوجنے لگتی ہیں، یا ان میں بلغم جمع ہونا شروع ہوتا ہے تو جسم اپنا دفاع اس طرح کرتا ہے کہ کھانسی کے ذریعے بلغم اور جراثیم کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، کھانسی کے ساتھ پھیپھڑوں کی ہوا ایک جھٹکے سے خارج ہونے پر مجبور ہوجاتی ہے، اور اس حرکت سے پھیپھڑوں میں جمع شدہ مواد بھی باہر نکل آتا ہے، بشرطیکہ اس جمع شدہ مواد کا قوام نکلنے کے قابل ہو، یا پھر اس قوام کو نکلنے کے قابل بنالیا جائے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سینے کے انفیکشن کا ابتدائی درست علاج پھیپھڑوں میں جمع شدہ مواد اور قوام یعنی بلغم اور جراثیم کا باہر نکلنا ہے، نہ کہ کیمیکل والی تیز ادویہ استعمال کرکے اس غیر فطری مواد اور قوام کو جما دینا اور جسم کے اندر دبا دینا، اسی وجہ سے سمجھدار لوگوں کا کہنا ہے کہ کھانسی کی ابتداء میں فوراً خشک کرنے والی ادویہ استعمال کرنے کے بجائے، کھانسی کے سبب یعنی جمے ہوئے بلغم کو رقیق کرکے جسم سے نکلنے کے قابل بنانا، اصل اور درست طریقۂ علاج ہے۔